فہرست

لمعات: (آیئے خود کو قرآن کے آئینے میں دیکھیں)	محمد سلیم اختر	3
لغات القرآن (دع و)	پرویزؒ	6
مدیر کے قلم سے (چند گذارشات)	ڈاکٹر منظور الحق، حیدر آباد	14
دعا کا بصیرت افروز، قرآنی مفہوم	پرویزؒ	24
اتباع رسول کے خوشگوار ثمرات و نتائج	خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی	48
یستفتونک	عبداللہ ثانی، پشاور	53

طلوعِ اسلام کا لٹریچر یہاں سے دستیاب ہے

نیچے درج کئے گئے کتب خانوں سے طلوع اسلام ٹرسٹ کی تمام کتب، دروس القرآن کی تمام جلدیں، اسلامی کتابیں اور لائبریری کے لئے تمام موضوعات پر ہمہ قسم کتب رعایتی نرخوں پر خریدنے کے لئے تشریف لائیں۔

1- کلاسک بک سیلرز، 42، دی مال (ریگل چوک)، لاہور۔ فون: 042-37312977، موبائل: 0300-4442226	
2- البلال بک ڈپو، اردو بازار، کراچی، موبائل: 0344-2502141	3- شہباز بک ایجنسی، اردو بازار، کراچی، فون: 021-32632664
4- مذہبی کتب خانہ، اردو بازار، کراچی، موبائل: 0331-2716587	5- شاہ زیب انٹر پرائزز، اردو بازار، کراچی، 021-32214259
6- علمی کتاب گھر، اردو بازار، کراچی، فون: 021-32620497	7- مکتبہ دارالسلام، اردو بازار، کراچی، فون: 021-32212269
8- محمد سلیم، قرآن سینٹر، اردو بازار، کراچی، فون: 021-32210770	9- محمد علی، کارخانہ اسلامی کتب، اردو بازار، کراچی، فون: 021-32631056

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد سلیم اختر

لمعات

آیئے خود کو قرآن کے آئینے میں دیکھیں

۱۔ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے کہ لَّعْنَةَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ جھوٹوں پر خدا کی لعنت ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مومنین کا شیوہ نہیں ہوسکتا لیکن ہم ہر روز دیکھتے ہیں کہ مسلمان جھوٹ بولتے ہیں۔

۲۔ قرآنِ کریم کا حکم ہے کہ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ (۲۲/۳۰)۔ مکروفریب کی بنائی ہوئی جھوٹی باتوں سے بچو۔ لیکن ہم ایک دوسرے کو فریب دیتے ہیں، تصنع، بناوٹ اور چال بازی کرتے ہیں۔

۳۔ قرآن کا حکم ہے کہ إِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا (۶/۱۵۳) ہمیشہ عدل وانصاف کو ملحوظ رکھتے ہوئے بات کرو اور ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارا عمل اس کے یکسر خلاف ہوتا ہے۔

۴۔ ارشادِ خداوندی ہے کہ لَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ (۲/۴۲) نہ تو حق کو چھپاؤ اور نہ ہی حق و باطل کو گڈمڈ کرو۔۔۔ اور ہم روز ایسا کرتے ہیں۔

۵۔ قرآنِ کریم نے مومنین کا شعار یہ بتایا ہے کہ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ (۲۳/۳) وہ لغو باتوں سے ہمیشہ پرہیز کرتے ہیں۔۔۔ اور ہمارا سارا وقت لغویات میں گزر جاتا ہے۔

۶۔ قرآن مجید نے کہا ہے کہ إِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (۲۴/۱۹)۔ ''جو لوگ، معاشرہ میں، بے حیائی کی باتیں پھیلانا پسند کرتے ہیں، انہیں اس دنیا میں بھی الم انگیز سزا ملنی چاہئے اور آخرت میں بھی''۔ آپ اس تعلیم کو دیکھئے اور پھر ایک نظر ڈالئے اپنے معاشرہ پر اور دیکھئے کہ ہمارے ہاں کوئی گلی، کوچہ، بازار، محفل، مجلس، تفریح گاہ ایسی ہے جہاں فواحش کی تشہیر نہ ہوتی ہو؟

۷۔ خدا کا حکم ہے کہ لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْؤُولًا (۱۷/۳۶)۔ ''جس بات کا تمہیں علم نہ ہو اسکے پیچھے مت لگ جایا کرو۔ یاد رکھو، تمہاری سماعت، بصارت اور قلب سے پوچھا جائے گا کہ جو بات تم نے سنی تھی اسے آگے پھیلانے سے پہلے تحقیق کر لیا تھا کہ واقعی صحیح ہے''! آپ اس حکمِ خداوندی کو دیکھئے اور پھر ایک نظر ڈالئے اپنے معاشرہ، بالخصوص اخبارات پر اور سوچئے کہ اس حکم پر کہاں تک عمل ہو رہا ہے؟

۸۔ اسلام کی تعلیم تھی کہ أَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْؤُولا (۱۷/۳۴) ہمیشہ وعدہ پورا کرو۔ تم سے اس کے متعلق باز پرس ہو گی (کہ تم نے وعدہ کر کے اسے پورا کیا تھا یا نہیں! اور اگر نہیں کیا تھا تو کیوں؟) اس حکمِ خداوندی کو دیکھئے اور پھر اپنے طرزِ عمل پر غور

کیجئے۔ کیا ہمارا طرزِ عمل اس کے مطابق ہے؟

۹۔ قرآنِ کریم نے کہا تھا کہ أَوْفُوا الْكَيْلَ إِذا كِلْتُمْ وَزِنُواْ بِالقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ (۳۵/۱۷)۔ ''جب ماپ کرو تو ماپ پورا کرو اور جب تول کرو تو تول پورا کرو''۔ اس حکمِ خداوندی کو دیکھئے اور پھر موجودہ مسلمانوں کے بازارِ خرید و فروخت پر نظر ڈالئے۔ کیا آپ کو وہاں اس تعلیم کا شائبہ تک بھی دکھائی دیتا ہے۔ أَوْفُوا الْكَيْلَ ۔ کے معنی یہ ہیں کہ خریدار سے جو کچھ لو اس کے بدلے میں اسے اس کی مطلوبہ شے خالص اور پوری پوری دو۔ کیا آپ کو ہمارے کسی بازار میں پورے پیسوں کے عوض خالص اور پوری پوری شے ملتی ہے؟

۱۰۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ اعْدِلُواْ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى (۵/۸)۔ ''ہمیشہ عدل کرو۔ کیوں کہ عدل کرنا' تقویٰ سے قریب تر ہے''۔ سوچئے کہ ہمارے معاشرہ میں یہ گراں قدر چیز کہیں سے بھی دستیاب ہوتی ہے؟ واضح رہے کہ عدل سے مراد صرف عدالتی عدل نہیں۔ عدالتی عدل تو' عدل کی صرف ایک قسم ہے۔ عدل زندگی کے ہر گوشے میں مطلوب ہے اور قرآن اس کا تقاضا ہر عبدِ مومن سے کرتا ہے۔ وہ تو یہاں تک کہتا ہے کہ ''دشمن سے بھی عدل کرو'' (۵/۸)۔ اور ہماری یہ حالت ہے کہ دشمن تو ایک طرف' ہم دوستوں سے بھی عدل نہیں کرتے۔

۱۱۔ عدل کی بنیاد' سچی شہادت پر ہے۔ قرآن کریم کا اس باب میں ارشاد ہے کہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ كُونُواْ قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ۔ اے ایمان والو! انصاف کو ہر حال میں قائم رکھو۔ جب کسی معاملہ میں تمہاری شہادت مطلوب ہو تو تم مدعی یا مدعا علیہ کی طرف سے گواہی دینے کے لئے نہ جاؤ بلکہ شُهَدَاء لِلّهِ ۔ صرف اللہ کی طرف سے گواہ بن کر جاؤ اور پھر سچی سچی شہادت دو: وَلَوْ عَلَى أَنفُسِكُمْ ۔ خواہ وہ شہادت خود تمہاری اپنی ذات کے خلاف ہی کیوں نہ جائے: أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالأَقْرَبِينَ ۔ یا تمہارے والدین یا دیگر رشتہ داروں کے خلاف کیوں نہ ہو: إِن يَكُنْ غَنِيّاً أَوْ فَقِيراً ۔ خواہ کوئی امیر ہو یا غریب' تم کسی کی طرف داری نہ کرو: فَاللّهُ أَوْلَى بِهِمَا۔ ان کے مقابلہ میں خدا کا حق فائق ہے۔۔۔ فَلاَ تَتَّبِعُواْ الْهَوَى أَن تَعْدِلُواْ ۔ یاد رکھو! ایسا نہ ہو کہ تمہارے جذبات کہیں سچی بات کہنے کے راستے میں حائل ہو جائیں۔ پھر اسے بھی سن رکھو کہ وَإِن تَلْوُواْ أَوْ تُعْرِضُواْ فَإِنَّ اللّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا (۴/۱۳۵) گواہی دیتے وقت کوئی پیچ دار' ذو معنی بات نہ کہو۔ نہ ہی تم شہادت دینے سے پہلو تہی کرو۔ تم انسانوں سے تو ان باتوں کو چھپا سکتے ہو' لیکن خدا سے کسی بات کو چھپا نہیں سکتے۔ مؤمنین کی خصوصیت یہ ہے کہ لاَ يَشْهَدُونَ الزُّورَ (۲۵/۷۲) وہ کبھی جھوٹی یا ملمع شدہ شہادت نہیں دیتے۔

یہ ہے قرآن کی رو سے' مومنین کی صفت۔ اسے سامنے رکھئے اور پھر اپنے تھانے کچہریوں میں جائیے جہاں (خدا کے فضل سے) سب مسلمان نظر آئیں گے۔۔۔ اور یہ مسلمان' قرآن اٹھا اٹھا کر جو شہادت دیں گے اس کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں!

۱۲۔ قرآنِ کریم نے کہا تھا کہ لاَ تَأْكُلُواْ أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ (۲/۱۸۸)۔ ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ: وَتُدْلُواْ بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُواْ فَرِيقاً مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالإِثْمِ (۲/۱۸۸)۔ نہ ہی حکام کو رشوت دے کر دوسروں کا حق غصب کرو۔

۱۳۔ قرآنِ عظیم کا ارشاد ہے۔۔ مَن قَتَلَ نَفْساً بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعاً۔ یاد رکھو! جس شخص نے کسی ایک شخص کو بھی قتل کر دیا۔۔ بجز اس کے کہ اسے قتل یا بغاوت کے جرم میں سزائے موت دی گئی ہو۔۔۔ تو یوں سمجھو گویا اس نے

پوری نوعِ انسان کو قتل کر دیا: وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعاً (۵/۳۲) اور جس نے کسی ایک بے گناہ کی بھی جان بچادی' اس نے گویا پوری نوعِ انسانی کو زندگی عطا کر دی۔

قرآنِ کریم کی اس تعلیم کو سامنے رکھئے اور پھر ہمارے ہاں جس ارزانی سے انسانی خون بہایا جا رہا ہے اس پر ایک نگاہ ڈالئے۔ بات واضح ہو جائے گی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قرآن حکیم کے طالب علموں کے لیے خوشخبری

علامہ غلام احمد پرویزؒ کے سات سو سے زائد دروسِ قرآنی پر مبنی تفسیری سلسلہ کے تحت بزمِ طلوع اسلام لاہور کی طرف سے مندرجہ ذیل تفسیری کتب کی اشاعت الگ الگ جلدوں میں ہو چکی ہے۔ یہ جلدیں 20x30/8 کے بڑے سائز کے بہترین کاغذ پر خوبصورت طباعت اور مضبوط جلد بندی کے ساتھ دستیاب ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ	نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ
سورہ الفاتحہ	(1)	240	160/-	سورہ روم' لقمان' السجدہ	(30,31,32)	444	325/-
سورہ الفاتحہ (سٹوڈنٹ ایڈیشن)	(1)	240	110/-	سورہ احزاب' سبا' فاطر	(33,34,35)	570	325/-
سورہ النحل	(16)	334	250/-	سورہ یٰسین	(36)	164	125/-
سورہ بنی اسرائیل	(17)	396	275/-	29واں پارہ (مکمل)	----	544	325/-
سورۃ الکہف و سورہ مریم	(18-19)	532	325/-	30واں پارہ (مکمل)	----	624	325/-
سورہ طٰہٰ	(20)	416	275/-				
سورۃ الانبیآء	(21)	336	225/-				
سورۃ الحج	(22)	380	275/-				
سورۃ المؤمنون	(23)	408	300/-				
سورۃ النور	(24)	264	200/-				
سورۃ الفرقان	(25)	389	275/-				
سورۃ الشعرآء	(26)	454	325/-				
سورۃ النمل	(27)	280	225/-				
سورہ القصص	(28)	334	250/-				
سورہ عنکبوت	(29)	388	275/-				

ملنے کا پتہ: ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ)' 25/B' گلبرگ 2' لاہور' فون نمبر: 4546 3571-42-92+

بزم ہائے طلوع اسلام اور تاجر حضرات کو ان ہدیوں پر تاجرانہ رعایت دی جائے گی۔ ڈاک خرچ اس کے علاوہ ہوگا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماخوذ از لغات القرآن

دع و

دَعا کے معنے کسی کو پکارنے اور بلانے کے ہیں۔ چنانچہ **الدعاء ۃ**. اس انگلی (سبابہ) کو کہتے ہیں جس سے اشارہ کر کے کسی کو بلایا جائے۔ **الداعیۃ**. جنگ میں گھوڑوں کی چیخ پکار کو کہتے ہیں۔ **ھو منی دعوۃ الرجل** کے معنے ہیں وہ مجھ سے اتنی دور ہے کہ وہاں تک آدمی کی آواز پہنچ جاتی ہے (تاج)۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں کسی کو اپنی آواز یا بات سے اپنی طرف مائل کرنا۔

دعاہ الی الامیر کے معنے ہیں وہ اسے امیر کی طرف لے گیا۔ اس اعتبار سے داع صرف بلانے والے ہی کو نہیں کہتے بلکہ اسے بھی کہتے ہیں جو کسی کو کسی دوسرے کی طرف لے جائے (تاج)۔ ادعاء۔ (یدعون) کے معنے تمنا کرنے کے ہیں (تاج)۔ یا کسی چیز کو پکار پکار کر بلانے کے (67:28)۔

تداعوا علیہ کے معنے ہیں وہ اس کے خلاف جمع ہو گئے اور **تداعیٰ علیہ العدو من کل جانب** کے معنے ہیں دشمن نے ہر طرف سے اس پر حملہ کر دیا۔ **تداعت الحیطان** کے معنے ہیں دیواریں یکے بعد دیگرے گر پڑیں (تاج)۔

دعوتہ زیداً. میں نے اس کا نام زید رکھ دیا۔ **الدعی**. وہ لڑکا جسے متبنی بنا لیا جائے (تاج)۔ (اس کی جمع ادعیاء ہے 33:4)۔

الداعیۃ. اس دودھ کو کہتے ہیں جسے تھنوں میں اس لئے چھوڑ دیا جاتا ہے کہ اس کے سہارے باقی ماندہ دودھ نکالا جا سکے (تاج)۔ نیز سبب یا باعث۔ **الدواعی**. ان چیزوں کو کہتے ہیں جو انسان کے جذبات کو ابھار دیں اور اس کے اندر ہیجان پیدا کر دیں (محیط)۔ (ان معانی کو اچھی طرح پیش نظر رکھنا چاہئے کیونکہ ان سے دعاء کے مفہوم پر روشنی پڑتی ہے)۔

وادعوا شھداء کم (2:23) کے معنے ہیں تم اپنے مددگاروں کو بلاؤ۔ سورۃ کہف میں نادیٰ اور دعا دونوں مرادف معنوں میں استعمال ہوئے ہیں (18:52)۔ سورۃ اعراف میں **دعا** کے مقابل میں **صمت** کا لفظ آیا ہے (7:193) جس کے معنے چپ رہنے کے ہیں۔ لہٰذا دعا کے معنی پکارنے یا بلانے کے ہوئے۔

سورۃ بقرہ میں ہے **فادع لنا ربک** (2:61)۔ جس کے معنے ہیں ہمارے لئے اپنے پروردگار کو پکار۔ الدعویٰ۔ پکار۔ مطالبہ۔ تقاضا۔ (10:10)۔

اب ہمارے سامنے دعا کا وہ گوشہ آتا ہے جو مذہب اور فلسفہ کی دنیا میں سب سے مشکل مسئلہ سمجھا جاتا ہے اور جس کا صحیح مفہوم سامنے نہ ہونے سے طرح طرح کے شکوک اور خدشات لاحق ہو جاتے ہیں۔ یہ گوشہ ہے ''خدا سے دعا مانگنے'' کا۔ ان شکوک وخدشات کو سمجھنے کے لئے جن کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے ایک مثال پر غور کیجئے۔ کسی مقدمہ میں زید مدعی ہے اور بکر مدعا علیہ۔ زید خدا سے دعا کرتا ہے کہ مقدمہ کا فیصلہ اس کے حق میں ہو جائے۔ اس سے حسب ذیل سوالات سامنے آتے ہیں۔

(الف) ایک گروہ کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان کے تمام معاملات کے فیصلے خدا کے ہاں پہلے سے طے شدہ ہوتے ہیں۔ اگر یہ ٹھیک ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ چیز بھی پہلے سے طے شدہ ہوگی کہ اس مقدمہ میں زید کو شکست ہوگی یا فتح۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر یہ پہلے سے طے شدہ تھا کہ زید کو شکست ہوگی تو کیا زید کے دعا کے کرنے سے خدا اپنے پہلے فیصلے کو بدل دے گا اور زید مقدمہ ہارنے کے بجائے جیت جائے گا؟ اگر ایسا ہو تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ خدا اپنے فیصلوں کو انسانوں کی مرضی کے مطابق بدلتا رہتا ہے۔ یعنی خدا' انسانوں کی مرضی کے تابع چلتا ہے۔ خدا کے متعلق یہ تصور کسی طرح بھی صحیح نہیں ہوسکتا۔

(ب) فرض کیجئے کہ زید اپنے دعویٰ میں جھوٹا تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا اس کے دعا کرنے سے' خدا مقدمہ کا فیصلہ اس کے حق میں کر دے گا؟ اگر ایسا ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ خدا نے جھوٹے کے حق میں فیصلہ کر دیا اور سچے کو اس کے حق سے محروم کر دیا۔ خدا کے متعلق یہ تصور بھی غلط ہے۔

(ج) فرض کیجئے کہ زید اپنے دعویٰ میں سچا ہے۔ اگر زید خدا سے دعا نہ کرے تو کیا مقدمہ کا فیصلہ اس کے حق میں ہوگا یا نہیں؟ اگر دعا کے بغیر فیصلہ اس کے حق میں نہیں ہوسکتا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ خدا از خود سچے کے حق میں فیصلہ نہیں دیتا۔ سچے کو اپنے حق میں فیصلہ لینے کے لئے خدا سے منت خوشامد کرنی پڑتی ہے۔ خدا کے متعلق یہ تصور بھی غلط ہے۔

اور اگر خدا سچے کے حق ہی میں فیصلہ کرتا ہے خواہ وہ دعا کرے یا نہ کرے' تو زید کے دعا کرنے یا نہ کرنے سے کچھ فرق نہیں پڑے گا۔ خدا کو بہر حال اس کے حق میں فیصلہ کرنا تھا۔ اس صورت میں دعا ایک بیکار عمل ہوا۔

(د) یہ ظاہر ہے کہ مقدمہ میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے انسان کو کوشش کرنی پڑتی ہے۔ ناجائز نہ سہی' جائز ہی سہی۔ کوشش تو ضرور کرنی پڑتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر زید صرف دعا کرے لیکن کوشش نہ کرے تو کیا وہ مقدمہ جیت جائے گا؟ اگر وہ صرف دعا سے مقدمہ جیت جائے تو اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے عمل (کوشش کرنے) پر جو اس قدر زور دیا ہے تو وہ سب بیکار ہوگا۔

اور اگر کوشش کے بغیر مقدمہ نہیں جیتا جاسکتا تو پھر دعا کا فائدہ کیا ہوا؟

(س) اگر زید اپنی جگہ خدا سے دعا کرے اور بکر اپنی جگہ۔ تو پھر مقدمہ کا فیصلہ کس کے حق میں ہوگا؟ خدا کس کی دعا قبول کرے گا اور کس کی رد کرے گا؟

یہ اور اس قسم کے اور بہت سے شکوک وخدشات ہیں جو دعا کے اس مفہوم سے پیدا ہوتے ہیں اور جن کے حل کرنے کے لئے مذہب (مذہب سے مراد انسانوں کا خودساختہ مسلک ہے۔ دین خدا کی طرف سے ملتا ہے)۔ اور فلسفہ صدیوں سے (ناکام) کوششوں میں مصروف ہے۔ قرآن کریم نے بتایا کہ دعا کا یہ تصور غلط ہے اور اس دور کا پیدا کردہ جب ذہن انسانی اپنے عہد طفولیت میں تھا اور کائنات میں قانون اسباب (Law of Causality) کے تصور سے ناآشنا تھا۔ اس نے بتایا کہ:

(1) کائنات میں ہر شے خدا کے لگے بندھے قانون کے مطابق سرگرم عمل ہے اور خدا اپنے قانون میں کبھی تبدیلی نہیں کرتا۔ **ولن تجد لسنة الله تبديلاً** (33:62)- ''تو قانون خداوندی میں کوئی تبدیلی نہیں پائے گا''۔

(2) انسانی دنیا میں بھی خدا ہی کا قانون کارفرما ہے۔ جو شخص اس قانون کے مطابق جس قدر کوشش کرے گا اسی قدر وہ کامیاب ہوگا۔ **ليس للانسان الا ماسعىٰ. وان سعيه سوف يرىٰ** (53:39-40)- ''انسان کے لئے اس کے سوا کچھ نہیں جس کی وہ کوشش کرے اور اس کی کوشش کا نتیجہ بلا تاخیر سامنے آجائے گا''۔

اس کے ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہہ دیا کہ جو شخص خدا کے قانون کے مطابق کوشش نہیں کرتا اور محض دعا مانگنے سے سمجھتا ہے کہ مقصود حاصل ہو جائے گا' اس کا نہ تو خدا کے متعلق تصور صحیح ہے اور نہ ہی اسے کبھی کامیابی ہو سکتی ہے۔ سورۃ رعد میں ہے: **له دعوة الحق.** انسان کی جو دعوت تعمیری نتائج پیدا کر سکتی ہے۔ جو حق پر مبنی قرار پا سکتی ہے۔ وہ وہی دعوت ہے جو خدا کے لئے (یعنی اس کے قانون کے مطابق) ہو۔ **والذين يدعون من دونه لا يستجيبون لهم بشئى.** اور جو لوگ خدا کے علاوہ اوروں سے اپنی طلب وابستہ کرتے ہیں۔ یعنی چاہتے ہیں کہ خدا کے قانون کو چھوڑ کر' اپنی توہم پرستیوں کے زور پر کامیاب ہو جائیں' تو وہ غلطی پر ہیں۔ ان کی یہ خودساختہ قوتیں ان کی کوئی مانگ پوری نہیں کر سکیں گی۔ ایسے لوگوں کی مثال **كباسط كفيه الى الماء ليبلغ فاه وما هو ببالغه.** ہے' یعنی جیسے کوئی شخص (دریا کے کنارے) اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلا کر بیٹھا رہے (اور دعا کرتا رہے کہ پانی اس کے منہ میں آجائے تو) اس طرح پانی اس کے منہ تک کبھی نہیں پہنچ سکتا۔ لہٰذا **وما دعاء الكافرين الا فى ضلال** (13:14)- جو لوگ خدا کے قانون سے انکار کرتے ہیں ان کی دعا کبھی نتیجہ خیز نہیں ہو سکتی۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ **ولله يسجد من فى السمٰوٰت والارض طوعاً و كرهاً.....** (13:15)- کائنات کی ہر شے' طوعاً و کرہاً' خدا کے قانون کے مطابق سرگرم عمل ہے۔ سو جب ساری کائنات کا سلسلہ خدا کے قانون کے مطابق چل رہا ہے' تو انسان اس سے مستثنیٰ کس طرح ہو سکتا ہے؟

لہٰذا' قرآن کریم کی رو سے ''خدا سے دعا'' کے معنی ہیں خدا کے قانون سے مدد چاہنا۔ یعنی اس کی اطاعت سے اپنی کوششوں میں صحیح نتائج مرتب کرانا۔ اس حقیقت کو قرآن کریم

نے متعدد مقامات پر واضح کر دیا ہے۔ مثلاً سورۃ المؤمن میں ہے: **وقال ربکم ادعونی استجب لکم.** تمہارا نشوونما دینے والا کہتا ہے کہ تم مجھے پکارو۔ میں تمہاری پکار کا جواب دوں گا (اس کا مفہوم ذرا آگے چل کر بیان کیا جائے گا)۔ اس کے بعد ہے: **ان الذین یستکبرون عن عبادتی سید خلون جھنم داخرین** (40:60)- یقیناً جو لوگ میری محکومیت اختیار کرنے سے سرکشی برتتے ہیں، وہ ذلیل وخوار ہو کر جہنم میں داخل ہوتے ہیں۔ آیت کے دونوں ٹکڑوں کے ملانے سے بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ''خدا کو پکارنے'' سے مراد اس کے احکام وقوانین کی محکومیت اختیار کرنا ہے۔ اور خدا کی طرف سے اس پکار کا جواب ملنے سے مراد انسان کی سعی وکاوش کا ثمر بار ہونا۔ دوسرے مقام پر اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ: **انما یؤمن بایٰتنا الذین اذا ذکروا بھا خروا سجداً وسبحوا بحمد ربھم وھم لایستکبرون** (32:15)- ہمارے احکام پر ایمان لانے والے وہی لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے وہ احکام پیش کئے جاتے ہیں تو وہ سرِ تسلیم خم کر دیتے ہیں اور اپنے نشوونما دینے والے (کے پروگرام کو) درخورِ حمد وستائش بنانے کے لئے سرگرم عمل رہتے ہیں اور وہ ان احکام سے سرتابی نہیں کرتے۔ **تتحافی جنوبھم عن المضاجع. یدعون ربھم خوفا و طمعا و مما رزقنٰھم ینفقون** (32:15-16)- وہ ان احکام کی تعمیل میں اس طرح سرگرم عمل رہتے ہیں کہ نیند تک کی بھی پروا نہیں کرتے۔ راتوں کو بھی جاگتے ہیں اور اس طرح اپنے رب کو دفعِ مضرت اور جلبِ منفعت کے لئے پکارتے ہیں۔ کیونکہ انہیں علم ہوتا ہے کہ ان احکام کی تعمیل سے کیسے عمدہ نتائج مرتب ہوں گے اور ان کی خلاف ورزی سے کس قدر تباہیاں آئیں گی، جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہوتا ہے وہ اسے (نوعِ انسانی کی بہبود کے لئے) کھلا رکھتے ہیں۔ سورۃ المؤمن میں ہے: **فادعوہ مخلصین لہ الدین.....** (40:65) خدا کو پکارو تو اس طرح کہ فرماں پذیری کے ہر گوشے کو خالصتہً اسی کے لئے وقف اور مختص کر دو۔ سورۃ شوریٰ میں ہے: **و یستجیب الذین امنوا وعملوا الصالحات.....** (42:26)۔ ''وہ ان کی پکار کا جواب دیتا ہے جو اس کے قوانین کی صداقت پر یقین رکھتے ہیں اور اس کے مطابق صلاحیت بخش کام کرتے ہیں'' یہاں سے بھی واضح ہے کہ ''پکار اور اس کے جواب'' سے مفہوم کیا ہے۔ سورۃ اعراف میں ہے: **ادعوا ربکم تضرعاً و خفیۃ انہ لا یحب المعتدین** (7:55)- ''تم اپنے نشوونما دینے والے کو دل کے پورے جھکاؤ اور سکون سے پکارو۔ اس طرح کہ یہ پکار تمہارے دل کی گہرائیوں سے نکلے۔ یاد رکھو! جو لوگ اس کے قانون سے سرکشی برتتے ہیں اور حد سے تجاوز کر جاتے ہیں، وہ انہیں کبھی پسند نہیں کرتا۔'' اس سے بھی واضح ہے کہ ''خدا کو پکارنے'' سے مراد اس کے احکام کی اطاعت ہے۔ اس سے اگلی آیت نے اسی مفہوم کی تشریح کر دی ہے جہاں کہا ہے: **ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا وادعوہ خوفاً و طمعاً ان رحمت اللہ قریب من المحسنین** (7:56-57)- یعنی تم معاشرہ میں ہمواری پیدا ہو جانے کے بعد ناہمواریاں مت پیدا کرو۔ اور خدا کو دفعِ مضرت اور جلبِ

منفعت کے لئے پکارو۔ یاد رکھو! جو لوگ حسن کارانہ انداز سے معاشرہ کا توازن قائم رکھتے ہیں' خدا کی رحمت ان سے بہت قریب ہوتی ہے۔''

یہاں ''خدا کی رحمت'' کو قریب کہا ہے۔ سورۃ بقرہ میں خود خدا کے متعلق کہا ہے وہ قریب ہے۔ **واذا سالک عبادی عنی فانی قریب. اجیب دعوۃ الداع اذا دعان.** ''اور جب میرے بندے تجھ سے میری بابت پوچھیں تو ان سے کہو کہ میں (کہیں دور نہیں ہوں۔ ان سے بہت) قریب ہوں۔ (ان کی رگِ جان سے بھی زیادہ قریب۔ 50:16)۔ میں ہر پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے''۔ اس کے بعد ہے۔ **فلیستجیبوا لی ولیؤمنوا بی لعلھم یرشدون** (2:186) ''پس انہیں چاہئے کہ میری فرمانبرداری کریں اور میرے قوانین کی صداقت پر یقین رکھیں۔ تا کہ یہ اپنی منزل مقصود تک پہنچنے کا راستہ پالیں۔''

اس سے واضح ہے کہ خدا کو پکارنے (دعا) سے مراد اس کے احکام کی اطاعت ہے اور دعا کا جواب دینے سے مفہوم اس اطاعت پذیری کے نتائج مرتب ہونا۔

سورۃ نمل میں پہلے کائناتی نظام کے مختلف گوشوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ وہاں کس طرح ہر بات خدا کے قانون کے مطابق ہوتی ہے۔ اس کے بعد' اس جماعت مومنین کو مخاطب کیا گیا ہے جو اپنے نظام کے ابتدائی مراحل میں سخت مصیبتوں اور پریشانیوں سے گذر رہی تھی اور قدم قدم پر پکار رہی تھی کہ: **متیٰ نصر اللہ** (2:214)- خدا کی نصرت کب آئے گی؟ ان سے کہا کہ: **امن یجیب المضطر اذا دعاہ و یکشف السوء و یجعلکم خلفاء الارض.....** (27:62) (خدا کے علاوہ) وہ کون ہے جو (تمہارے) قلب مضطر کی پکار کا جواب دیتا ہے اور تمہاری پریشانیوں اور مشکلات کو دور کر کے تمہیں استخلاف فی الارض عطا کر سکتا ہے! لیکن یہ استخلاف فی الارض' تمہارے اعمال کے نتیجہ میں مل سکے گا (24:55)- اس لئے تم گھبراؤ نہیں۔ خدا کے قانون کے مطابق عمل کرتے جاؤ۔ وہ تمہاری بے کسی اور بے چارگی کو غلبہ و تسلط سے تبدیل کر دے گا۔ اگر تم اس راستے پر چلتے رہے تو ہماری کائناتی قوتیں' ان مخالفین کی ضرر رسانیوں سے تمہاری حفاظت طلب کرتی رہینگی (40:7)- جماعت مومنین تو ایک طرف' خود حضرات انبیاء کرامؑ سے بھی یہی کہا گیا۔ مثلاً سورۃ یونس میں حضرت موسیٰؑ کے قصہ کو دیکھئے۔ حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ فرعون کا مقابلہ کرنے کے لئے دعائیں مانگتے ہیں۔ اس کے جواب میں ان سے کہا جاتا ہے: **قد اجیبت دعوتکما' فاستقیما** (10:89)- تم دونوں کی ''دعاء قبول ہوگئی ہے''۔ بس اب تم اپنے پروگرام پر پوری پوری استقامت سے کاربند رہو۔ ظاہر ہے کہ اگر دعاء قبول ہو جانے کا مطلب یہ ہوتا کہ جو کچھ تم نے مانگا ہے وہ تمہیں دے دیا گیا ہے (یا وہ تمہیں مل جائے گا) تو اس کے بعد اس کے لئے کسی کوشش کی ضرورت نہ تھی لیکن یہاں کہا یہ گیا ہے کہ تمہاری دعاء قبول ہوگئی ہے۔ لہٰذا اب تم نہایت استقامت سے اس پروگرام پر کاربند رہو۔ اس سے واضح ہے کہ جو کچھ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ سے کہا گیا تھا وہ فقط اتنا ہی تھا کہ تمہاری یہ آرزوئیں ہمارے قانون کے مطابق ہیں لہٰذا تم ان کے حصول میں نہایت مستقل

مزاجی سے کوشش کرو۔تم ضرور کامیاب ہوجاؤ گے۔

تصریحات بالا سے یہ حقیقت واضح ہے کہ قرآن کریم کی رو سے خدا سے دعا کرنے کے معنی اس کے احکام وقوانین کی اطاعت کرنا ہیں۔اسی ''دعا'' کا حکم رسول اللہ ﷺ کو دیا گیا تھا: **قل انما ادعوا ربی ولا اشرک بہ احداً (72:20)**- ان سے کہہ دو کہ میں صرف اپنے رب کو پکارتا ہوں اور اس میں کسی اور کو اس کے ساتھ شریک نہیں کرتا۔یعنی اس کی حاکمیت میں کسی اور کو شریک نہیں کرتا **(18:26)**-

''دعا'' کے اس قرآنی مفہوم کے بعد ان شکوک و خدشات کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہتی جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔

اب ذرا آگے بڑھیے۔جن باتوں کو ہم اپنی اصطلاح میں ''دعا'' کہتے ہیں' قرآن کریم میں وہ بھی ہیں۔مثلاً **ربنا اغفرلنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا وثبت اقد امنا. وانصرنا علی القوم الکافرین (3:146)**- ''اے ہمارے نشوونما دینے والے! تو ہماری کوتاہیوں' اور معاملات میں حد سے بڑھ جانے کے مضر نتائج سے ہماری حفاظت کر۔ہمارے قدموں کو استقامت عطا فرما اور ہمیں قوم کفار پر کامیابی عطا کر دے۔'' یعنی وہ دعائیں جن میں انسان اپنی کسی آرزو کے بر آنے کی درخواست کرتا ہے۔ یہ دعائیں درحقیقت انسان کی آرزو کی شدت کا مظاہرہ ہوتی ہیں۔اس شدت آرزو سے انسان کی اپنی ذات میں ایسا تغیر واقع ہوتا ہے جس سے اس کی خفیہ قوتیں بیدار ہو جاتی ہیں اور مضمر صلاحیتیں بروئے کار آجاتی ہیں۔ان کی وجہ سے اس کا عزم راسخ اور ہمت بلند ہوجاتی ہے اور وہ موانعات کا مقابلہ کرنے اور شدائد پر غلبہ پا لینے کے قابل ہو جاتا ہے۔(**الداعیۃ اورالدواعی** کے جو معنی شروع میں دیئے گئے ہیں۔ان پر غور کیجئے) یعنی سب سے پہلے تو یہ کہ انسان وہی کچھ چاہے جو قانون خداوندی کے مطابق ہو اور پھر اس مقصد کے حصول کے لئے آرزو میں شدت پیدا کرے۔اس سے اس کے اندر ایسی انقلابی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جس کے نتائج حیرت انگیز ہوتے ہیں (واضح رہے کہ قرآن کریم نے یہ بھی کہا ہے کہ تمہاری ہر آرزو' قانون خداوندی کے مطابق ہونی چاہئے' ورنہ تم وہ کچھ طلب کرنے لگ جاؤ گے جو تمہارے لئے درحقیقت مضر ہو گا۔ **17:11)**- اس حقیقت کو علامہ اقبالؒ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ:

تری دعا سے قضا تو بدل نہیں سکتی
مگر ہے اس سے یہ ممکن کہ تو بدل جائے

کہا جا سکتا ہے کہ اگر انسان اپنے کسی مقصد کے حصول کے لئے اپنے اندر ویسے ہی شدت آرزو پیدا کر لے تو اس سے بھی اس کی قوتیں بیدار ہو جاتی ہیں۔پھر اس میں اور خدا سے دعاء کرنے میں کیا فرق ہے؟ یہ ٹھیک ہے کہ اس طرح بھی انسان کی قوتیں بیدار ہو جاتی ہیں لیکن مقصد صرف قوتوں کی بیداری نہیں۔سب سے پہلی چیز خود مقصد کا تعین ہے۔یعنی وہ مقصد ہے کیا جس کے حصول کے لئے آرزو کی جارہی ہے اور وہ ہے کیسا؟ پھر اس کے حصول کے لئے طریقے کیا کیا اختیار کئے جائیں گے اور اس تمام سعی وکاوش کے ماحصل کو کس مصرف میں لایا جائے گا۔ایک مرد مومن (قرآنی انسان) ان تمام امور کا فیصلہ خدا کے احکام کی روشنی میں کرتا ہے اس لئے وہ' پہلے قدم

سے آخری قدم تک' خدا کو اپنے سامنے رکھتا ہے۔ اس کی طلب و آرزو کی شدت بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی ہوتی ہے۔ اس لئے وہ اس کے لئے بھی خدا ہی کو پکارتا ہے۔ خدا کی طرف سے سب کچھ اس کے قانون کے مطابق ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ دعاء کے نتیجہ میں انسان کی خفیہ قوتوں کی بیداری بھی اس کے قانون ہی کے مطابق ہوتی ہے۔ علاوہ بریں' ایک اور بھی نقطہ ہے جس کا سمجھ لینا ضروری ہے۔ خدا نے انسانی ذات میں ایسی صلاحیت دے رکھی ہے کہ وہ مناسب نشوونما سے اپنے اندر (علیٰ حد بشریت) ان صفات کو اجاگر کرتی جائے جنہیں (لامحدود طور پر) صفات خدا وندی یا الاسماء الحسنٰی کہا جاتا ہے۔ اس نقطہ نگاہ سے خدا کی ذات (یعنی ان صفات حسنٰی کی حامل ذات) انسانی ذات کی نشوونما کے لئے معیار (Standard) بن جاتی ہے۔ انسان کا اپنی شدت آرزو میں خدا کو پکارنے سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے اندر ان صفات خداوندی کو اجاگر کرنا چاہتا ہے جن سے مقصد پیش نظر میں کامیابی ہو جائے۔ یہ ہے فرق ''خدا سے دعا مانگنے'' اور اپنے طور پر شدت آرزو پیدا کرنے میں۔

(دعا کی اجابت کے لئے عنوان ج و ب بھی دیکھئے)۔

اب رہیں حضرات انبیاء کرامؑ کی وہ ذاتی دعائیں جن کا ذکر قرآن میں ہے۔ سو نبوت کا معاملہ عام انسانی معاملات سے بالکل الگ ہے۔ اس کے متعلق ہم نہ کچھ سمجھ سکتے ہیں نہ سمجھا سکتے ہیں۔ ہم ان کے لائے ہوئے پیغام کو سمجھتے ہیں اور اسی کی اطاعت ہمارا فریضہ ہے۔ باقی رہا ان کی دعاؤں سے یہ نتیجہ نکالنا کہ جس طرح خدا ان کی دعا کے جواب میں ان سے ہم کلام ہوتا تھا' اسی طرح دیگر (غیر از انبیاء) انسانوں سے بھی ہم کلام ہو سکتا ہے تو یہ چیز وحی اور نبوت کے قرآنی تصور کے یکسر خلاف ہے۔ خدا' حضرات انبیاء کرامؑ کے علاوہ کسی انسان سے ہمکلام نہیں ہوتا اور نبی اکرم ﷺ کے بعد ایسا سمجھنا ختم نبوت کی مہر کو توڑنا ہے۔

نہ ہی یہ عقیدہ صحیح ہے کہ خدا ہماری دعا کو نہیں سنتا اس لئے ''خدا کے کسی مقرب'' سے درخواست کی جائے کہ وہ ہمارے لئے خدا سے دعا کرے۔ قرآن کی رو سے خدا اور بندے کے درمیان کوئی قوت حائل نہیں ہو سکتی۔ ایسا سمجھنا شرک ہے۔ ''خدا تک پہنچنے'' یا اس تک اپنی آواز پہنچانے کے لئے کسی ذریعے اور واسطے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہر انسان' اس کے قوانین کے اتباع سے ''اس تک پہنچ سکتا ہے'' اور اپنی آواز اس تک پہنچا سکتا ہے۔ (وسیلہ کے قرآنی مفہوم کے لئے متعلقہ عنوان دیکھئے) اور اس کے قوانین کا اتباع' قرآنی معاشرہ کے اندر رہ کر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے جو دعائیں مومنین کے لئے بتائی ہیں وہ عام طور پر اجتماعی ہیں۔ مثلاً 1:5-7 و 2:201 و 2:286 و 3:7 و 3:146 و 3:192)۔

سورۃ بقرہ کی جو آیت اوپر درج کی گئی ہے۔ یعنی **و اذا سالک عبادی عنی فانی قریب (2:186)**۔ ''جب تجھ سے میرے بندے میرے متعلق پوچھیں تو (ان سے کہہ دو کہ) میں قریب ہوں''۔ **یا نحن اقرب الیہ من حبل الورید (50:16)**۔ ''میں انسان سے اس کی رگ جان سے بھی قریب ہوں''۔ تو ان میں ضمناً خدا کے موجود فی الکائنات (Immanence) اور خارج از کائنات (Transcendence) کی طرف بھی اشارہ موجود ہے۔

وہ ہر انسان سے اس کی رگ جان سے بھی قریب ہے۔ تو اس سے ظاہر ہے کہ خدا کائنات میں ہر جگہ موجود ہے۔ لیکن اس طرح موجود نہیں جس طرح کوئی چیز کسی خاص مقام میں مقید ہوتی ہے۔ چونکہ ہمارے حواس کسی ایسی شے کا تصور نہیں کر سکتے جو فضا (Space) کے اندر مقید نہ ہو اس لئے ہم اسے سمجھ ہی نہیں سکتے کہ خدا اس کائنات میں بغیر جگہ (Space) گھیرے کس طرح موجود ہے۔ اسی لئے قرآن کریم نے کہہ دیا ہے کہ **لا تدرکہ الابصار. وھو یدرک الابصار (6:104)**- انسانی نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ لیکن وہ انسانی نگاہوں کا ادراک و احاطہ کئے ہوئے ہے لیکن اس کے قانون کا ہم ادراک بھی کر سکتے ہیں اور نتائج سے اس کا مشاہدہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس لئے قرآن کریم نے ہمارا تعلق خدا کے قانون سے بتایا ہے۔ خود خدا کی ذات سے نہیں۔ دعا (پکارنے) کا تعلق بھی خدا کے قانون سے ہے۔ ہم اس کے قانون کو آواز دیتے ہیں اور جب ہم اس کے مطابق عمل کرتے ہیں تو وہ ان اعمال کے مشہود نتائج کو سامنے لا کر ہماری پکار کا جواب دیتا ہے۔

باقی رہا خدا کا علم' سو جس چیز کو ہم ''ماضی' حال' مستقبل'' کہتے ہیں' علم خداوندی کی رو سے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ خدا کے سامنے ماضی' حال اور مستقبل سب بیک وقت (Eternal now کی شکل میں) موجود ہوتے ہیں۔ یعنی اسے ہونے والے واقعات کا اس طرح علم ہوتا ہے جیسے وہ سامنے اس وقت ہو رہے ہوں لیکن اس چیز کا ہمارے اس اختیار و ارادے پر کچھ اثر نہیں پڑتا جو ہمیں خدا نے عطا کیا ہے۔ نہ ہی اس بات پر کوئی اثر پڑتا ہے کہ ہمارے لئے جو کچھ ہوتا ہے وہ ہمارے اپنے اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے۔ سب کچھ خدا کے سامنے ہو رہا ہوتا ہے (اسے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں کیا کرنا ہے) لیکن وہ ہمارے اختیار و ارادہ کو سلب نہیں کرتا۔ ہم جو چاہتے ہیں کرتے ہیں اور جو کچھ کرتے ہیں اس کا نتیجہ بھگتتے ہیں۔ اگر ہم خدا کے قانون کے مطابق کرتے ہیں تو اس کا نتیجہ خوشگوار ہوتا ہے۔ اس کے خلاف کرتے ہیں تو نقصان اٹھاتے ہیں۔ کسی میں اس کی طاقت نہیں کہ خدا کے قانون کے خلاف کرے اور اس کا نتیجہ خوشگوار مرتب کرے۔ خدا کے قانون کے مطابق قدم اٹھانا' خدا کو پکارنا یا دعا کرنا ہے۔ اور اس کا خوشگوار نتیجہ مل جانا' دعا کا قبول ہو جانا۔

ایک عظیم قرآنی خزانہ

قرآن مجید پر غور و فکر کرنے والوں کے لئے خوشخبری

مفکرِ قرآنِ مجید علامہ پرویزؒ صاحب کی زندگی بھر کی قرآنی بصیرت کو دیکھا اور سنا جا سکتا ہے۔

WWW.QURANBREEZE.COM, WWW.TOLUISLAM.COM

سی ڈی اور کتب کی خریداری ☆ بیرون ملک **bazmdenmark@gmail.com, PDF.EBOOK**

☆ اندرون ملک' فون: **+92 42 35753666**' ای میل: **trust@toluislam.com**

بسلسلہ "مطالب القرآن فی دروس الفرقان"

مدیر کے قلم سے (چند گزارشات)

(محترم ڈاکٹر منظور الحق صاحب حلقۂ قارئینِ طلوع اسلام میں کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ مطالب القرآن فی دروس الفرقان کا سلسلۃ الذھب دراصل محترم ڈاکٹر منظور الحق صاحب ہی کی محنتِ شاقہ کا ثمر ہے۔اس بات کا کریڈٹ بلاشبہ ان کی ذاتِ گرامی کو ملنا چاہئے۔ ''مدیر کے قلم سے چند گذارشات'' ان کا سورہ بقرہ کی دروس قرآن کی پہلی جلد کے لئے لکھا گیا مضمون ہے جو کہ اس سے قبل بھی شائع ہو چکا ہے جس میں کچھ اغلاط رہ گئی تھیں۔ یہ مضمون دوبارہ (تصحیح شدہ) آپ کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔)

علامہ غلام احمد پرویز علیہ الرحمۃ کی پیدائش 9 جولائی 1903ء میں موجودہ مشرقی پنجاب کے ضلع گورداسپور کے قصبہ بٹالہ میں ہوئی۔ان کے گھرانے میں شریعت اور طریقت کا بڑا لطیف آمیزہ تھا۔ دادا' مولوی چودھری حکیم رحیم بخش حنفی مسلک کے ایک جید عالم اور سلسلہ چشتیہ کے ممتاز بزرگ تھے' حاذق طبیب بھی تھے لیکن اسے ذریعہ معاش نہیں بنایا تھا۔

آپ نے 1927ء میں حکومتِ ہند کے مرکزی سیکریٹریٹ' ہوم ڈپارٹمنٹ' اسٹیبلشمنٹ ڈویژن میں ملازمت اختیار کی۔ آپ کی قلمی زندگی کا آغاز 1928ء سے ہوا جب آپ نے مختلف موضوعات پر لکھنا شروع کیا جو اس زمانے کے مشہور مجلدات مثلاً دارالمصنفین کے ماہنامہ "معارف" (اعظم گڑھ) اور حیدرآباد دکن کے رسالہ "ترجمان القرآن" میں شائع ہوئے اور بڑی مقبولیت حاصل کی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مسلمانانِ ہند نے اپنا دامن تحریک "جنگ آزادی" سے باندھا تھا' جو بباطن اس ملک میں ہندوراج کے قیام کے منصوبوں پر عمل پیرا تھی۔ 1930ء میں ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ (1877-1938) نے الٰہ آباد کے مقام پر مسلمانوں کے سامنے ایک واضح نصب العین رکھا تھا۔ انہی ڈاکٹر محمد اقبال کے ایماء پر ماہوار مجلّہ طلوع اسلام کے دورِ جدید کا اجرا مئی 1938ء کے شمارہ سے کیا۔اس ماہوار مجلّہ میں آپ نے قرآن کریم کے عطا فرمودہ دو قومی نظریہ اسلامی مملکت کی ضرورت' اور اس کے بنیادی تقاضوں پر گرانقدر مقالات لکھے۔

درس قرآن کا سلسلہ

آپ نے درسِ قرآن کے سلسلے کا آغاز بہت پہلے دورانِ ملازمت دہلی اور شملہ میں متفرق خطبات سے ہی کر دیا تھا لیکن

جب آپ اگست 1947ء میں پہلی مرتبہ بسلسلہ سرکاری مرکزی ملازمت دہلی سے براہِ راست کراچی تشریف لائے تو کچھ عرصہ بعد سعید منزل کراچی کے بزرگ ڈاکٹر سعید مرحوم (م۔1956ء) سے رسم وراہ بڑھے تو پرویزؒ کے نیپیئر بے ریکس کراچی والے مکان کے صحن میں، نیم کے درختوں کے سایہ تلے، قرآنِ کریم سے متعلق باتیں پوچھنے والے احباب کی نجی نشست نے ہفتہ واری دروسِ قرآنیہ کی شکل اختیار کر لی۔ دروس کی ان مجالس کے بانی بھی ڈاکٹر سعید مرحوم تھے اور روحِ رواں بھی وہی۔ اس طرح پاکستان میں ان کا دروسِ قرآن کا یہ سلسلہ 1950ء سے شروع ہوا۔

اس وقت قرآن حکیم کا یہ درس مسلسل نہیں تھا، مختلف موضوعات سامنے آتے تھے اور ہر موضوع کے متعلق قرآن کریم میں جو کچھ آیا ہے وہ خطیبانہ انداز میں سامعین کے سامنے پیش کر دیا جاتا تھا۔ کراچی میں یہ سلسلہ 1958ء تک جاری رہا۔

مرکزی حکومت پاکستان سے 1955ء میں قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے کر، جب علامہ پرویز علیہ الرحمۃ اپریل 1958ء میں کراچی سے منتقل ہو کر لاہور آئے تو جولائی 1958ء سے یہ سلسلہ درس، اپنے ہی مکان (B-25 گلبرگ، لاہور) سے شروع کیا۔ ابتداءً درس کے موضوعات اسلام کے ایسے بنیادی تصورات اور اصطلاحات ہوتے تھے جن کے سمجھے بغیر مسلسل درسِ قرآن کی تفہیم آسان نہ ہو سکتی تھی۔

لاہور سے پہلا باقاعدہ درسِ قرآن ستمبر 1960ء میں شروع ہوا، جس کی تکمیل سوا سات سال کے بعد اتوار 31 دسمبر 1967ء میں ہوئی۔ ان دروس کو ٹیپس (آڈیو) میں محفوظ کر لیا جاتا تھا اور یہ اس سے قبل کہیں بھی تحریری صورت میں موجود نہیں تھے۔

اب سامعین درسِ اول کا اصرار تھا کہ درس کا دوسرا دور شروع کیا جائے۔ چنانچہ 17 مارچ 1968ء میں یہ سلسلہ از سرِ نو شروع کیا گیا۔ یہ دور 5۔ اکتوبر 1984ء تک، 17 سال مسلسل، 30ویں پارے کی سورۃ المطففین کی آیت 26 تک ہی پہنچا تھا کہ آپ بیمار ہو گئے اور 24 فروری 1985ء کی شام، جہانِ فردا کی پُر نور اور حسین و جمیل وادیوں کی جانب، زندگی کے اگلے سفر کی طرف جادۂ پیما ہو گئے۔

علامہ غلام احمد پرویز علیہ الرحمۃ اکتوبر 1979ء میں، قرآن کے اس دوسرے دور میں سورۃ لقمان تک پہنچ گئے تھے۔ ان ایام میں باہر کے احباب، جو سورۃ الفاتحہ کے دروس سنا کرتے تھے، کا تقاضا تھا کہ پرویزؒ صاحب اپنی آواز میں سورۃ الفاتحہ کو دوبارہ ریکارڈ کروا دیں کیونکہ کیسٹس کی آواز کی کوالٹی میں فرق پڑ گیا تھا۔ اس طرح پرویزؒ نے دوبارہ سورۃ الفاتحہ کے دروس ریکارڈ کروائے اور چونکہ 1968ء کے بعد 1979ء تک آپ کے فہم و بصیرتِ قرآن میں بھی اضافہ ہو گیا تھا اس لیے موجودہ دروس کی تعداد نو ہو گئی جب کہ

پہلے دور کے دروس کی تعداد آٹھ تھی۔

درسِ قرآن کا یہ دوسرا دور، تصریف آیات کی روشنی میں، پہلے دور کی نسبت زیادہ مفصل انداز میں تھا اور اسلوب معلّمانہ تھا۔ قرآنِ کریم کو ایک نصاب (Curriculum) کی کتاب کی طرح احباب کے سامنے پیش کیا گیا یعنی ایک ایک لفظ کی تشریح کرتے ہوئے متعلقہ آیت کا مفہوم متعین کیا گیا اور پھر آیت کا ربط دیگر آیات کے ساتھ قائم کرتے ہوئے قدم بقدم آگے بڑھتے چلے گئے۔

آج محترم جی اے پرویز علیہ الرحمۃ کے ارزاں فرمودہ دروسِ قرآن آڈیو اور ویڈیو کی شکل میں قریباً سات سو سے زیادہ کی تعداد میں محفوظ ہیں۔ یہ دروس کہیں بھی تحریری شکل میں تیار نہیں کیے گئے تھے۔ ہاں البتہ دورانِ درس آیات کے حوالے، دیگر حوالہ جات کی متعلقہ کتب، رسائل وغیرہ موجود ہوتے تھے۔ یہ صرف آوازِ پرویزؒ کی صورت میں ٹیپس اور کیسٹس (آڈیو وڈیو) پر محفوظ کیے جاتے تھے۔

جناب غلام احمد پرویز علیہ الرحمۃ کی دلی خواہش تھی کہ ان کے دروسِ قرآن کو اگر کتابی شکل دے دی جائے تو آگے چل کر یہ ایک تفسیر کی صورت اختیار کر لے گی چنانچہ اس مقصد کی تکمیل کے لیے اُن کے رفیقِ عزیز، ملک ظہور احمد مرحوم، جن کا تعلق راولپنڈی بزم سے تھا، نے لبیک کہتے ہوئے ان دروس کو Shorthand (مختصر نویسی) میں لکھ کر Reproduce (چربہ پیدا) کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ انہوں نے تقریباً 15 پاروں کے دورس کو جو ٹیپس میں محفوظ تھے، صفحۂ قرطاس پر منتقل کر دیا تھا۔ ایک کنونشن کے موقع پر پرویز علیہ الرحمۃ نے ان کی اس کاوش کا ذکر کرتے ہوئے انہیں خراجِ تحسین بھی پیش کیا گیا تھا مگر افسوس کہ (ٹرسٹ کے معتبر ذرائع کے مطابق) مرورِ زمانہ کے ہاتھوں، ان میں 70 فی صد دروس کہیں بھی مل نہیں پائے۔

بزم طلوع اسلام لاہور کا پراجیکٹ

اس لازوال علمی خزینہ کی اہمیت کے پیشِ نظر، احباب کے اصرار پر اور ادارہ طلوع اسلام کے زیرِ اہتمام بزم طلوع اسلام لاہور نے، ان دروسِ قرآن کے ٹیپس / کیسٹس پر سے مواد کو باقاعدہ قرطاس کے صفحات پر منتقل کرنے کے کام کا آغاز میری ادارت میں اکتوبر 2003ء سے کر دیا تا کہ ان دروس کو کتابی شکل میں ہدیۂ قارئین کیا جا سکے۔ اب تک اس سلسلہ کی متعدد کتب (سورۃ النحل سے سورۃ یٰسین تک، سورۃ الفاتحہ اور پارہ 29 اور 30 تک) زیورِ طباعت سے آراستہ و پیراستہ ہو کر منظرِ عام پر آ چکی ہیں۔

پرویز علیہ الرحمۃ کا اسلوبِ بیان

آپؒ کا اسلوبِ بیان بڑا رواں اور دلکش ہے۔ آپ کو زیرِ بحث موضوع پر اس قدر عبور ہوتا ہے کہ آپ کے راستے میں جس قدر سخت مقام آتے ہیں، آپ نہایت آسانی اور بے تکلفی سے انہیں عبور کرتے چلے جاتے ہیں۔ علم کی اس قدر بلندیوں کے باوجود،

آپ کی تحریر اور بیان (دونوں) میں ایسی جاذبیت ہوتی ہے کہ ایک عام سطح کا غیر فنی انسان (Non-Professional) بھی اس سے لطف اندوز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی تصانیف' تقاریر اور دروس قرآن کو اگر محض ادبی نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے تو بھی وہ اس قابل ہیں کہ ان کا عام مطالعہ کیا جائے اور آپؒ کے دروس اور تقاریر کو سنا جائے۔

تفسیرِ قرآن کے لیے دروس کی تفصیلات کے انبار سے متعلقہ حقائق کو کیوں الگ نہیں کیا گیا؟

درس کا انداز تصنیفی انداز سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ تفسیر کے لیے ان دروس کو تفصیلات کے انبار سے متعلقہ حقائق کو الگ کر کے انہیں از سرِ نو مرتب شکل میں پیش کرنا ہوتا ہے اس کام کے لیے علامہ پرویزؒ بھی اس سلسلہ دراز کو شروع کرنے کی ہمت نہیں پاتے تھے تو آپ نے اپنے ایک رفیق (اخلاق احمد صاحبؒ) سے تفسیر کو املا کرایا اور مطالب الفرقان کے نام سے سات جلدیں تیار کر ڈالیں مگر مطالب الفرقان کا یہ سلسلہ پہلی جلد سے شروع ہو کر سورۃ الحجر تک ہی پہنچا تھا کہ آپؒ داغِ مفارقت دے گئے۔ ساتویں جلد (سورۂ یوسف تا سورۃ الحجر) آپؒ کی وفات کے بعد شائع ہوئی اس طرح یہ گرانقدر منفرد تفسیر مکمل نہ ہو سکی۔

جب بزم طلوع اسلام لاہور نے ان دروس کو کتابی شکل میں منتقل کرنے کا بیڑا اٹھایا تو یہ طے کیا گیا کہ ان کتابی شکل میں طبع ہونے والے دروس کی ان تمام تفصیلات کے انبار کو یعینہٖ دے دیا جائے۔ کیوں؟ اس لیے کہ ان دروس کی تفصیلات کا یہ گرانقدر انبار ایسا تحقیقی مواد مہیا کرتا ہے جو ان دروس کے علاوہ قرآنی تعلیمات کی روشنی میں کشید شدہ صورت میں' ایک تو یہ ہے کہ یہ مواد تحقیق کے لیے قابل قدر ہے اور دوسرا یہ کہ اس مواد کی روشنی میں یا اسے ترتیب سے استعمال میں لاتے ہوئے متعدد عنوانات / موضوعات پر تحقیق و تدقیق کے نئے ابواب وا کیے جا سکتے ہیں جنہیں اس مواد کے بغیر مدوّن و مرتب کرنا تقریباً ممکنات میں سے نہیں تو از بس محال ضرور ہے۔ ان میں سے چند ایک عنوانات و موضوعات قارئین کے نظر و فکر کے لیے درجِ ذیل ہیں:

1- **تحریک طلوع اسلام کی تاریخ:** تحریک طلوع اسلام ایک فکری تحریک ہے۔ اس کا مقصد قرآن کریم کے پیغام کو بایں نمط عام کرنا ہے کہ یہ صداقت ایک محسوس حقیقت بن کر سامنے آجائے کہ انسانی زندگی کے مسائل کا حل اس دستاویز خداوندی کے سوا کہیں سے نہیں مل سکتا اور نوعِ انسانی کی مشکلات اسی نظام کی رو سے دور ہو سکتی ہیں جو اس صحیفہء مقدس کے خطوط پر متشکل ہوگا۔ دروس کے مواد سے یہ تاریخ لکھی جا سکتی ہے۔

2- **تحریک پاکستان کی تاریخ:** یہ مواد کثرت سے ان دروس میں بکھرا پڑا ہے جو کہیں اور سے نہیں مل سکتا۔ اس میں حصولِ پاکستان کے سلسلے میں پھیلائی جانے والی غلط بیانیاں ہیں' غلط فہمیاں ہیں' ان کا ازالہ بھی موجود ہے اور غرض و غایت بھی اس دروس کے مواد سے تحریک پاکستان کی تاریخ مرتب کی جا سکتی ہے۔

3- اسلام کی تاریخ (مسلمانوں کی نہیں): مثلاً 23 فروری 1969ء کا درس' اسلام کی تاریخ قابلِ مطالعہ ہے کہ موجودہ مذہب کس طرح بنا کہ یہ کہنا پڑا کہ عالمگیر صداقتیں تمام مذاہب میں یکساں طور پر موجود ہیں اور اسلام کو دین سے مذہب میں بدل کر رکھ دیا۔ قریباً تمام دروس میں اس بکھرے ہوئے مواد سے اسلام کی تاریخ ترتیب دی جاسکتی ہے۔ یہ مواد آج کہیں بھی کتابی شکل میں موجود نہیں ہے۔

4- تاریخ پاکستان' تہذیب وتمدن اور آثارِ قدیمہ سے ارتقا کی تھیوری پر روشنی اور معاشرت پر' اقوام پر' تقلید کے اثرات پر بڑا فکر انگیز مواد موجود ہے۔ اسے اگر کتابی شکل میں پیش کر دیا جائے تو اس سے علم وآگہی کے کئی ابواب مستقبل کے قاری کو شمع قرآن سے منور کر جائیں گے۔

5- اقوام میں رسوم وروایات کی داستان اور معاشرت پر ان کے اثرات: یہ وہ مواد ہے جو اقوام کے اسبابِ زوال کو پیش کرتا ہے۔ جو اقوام انہی کو مقصود بالذات (End) سمجھ لیتی ہیں تو پھر وہ اس قعرِ مذلت میں جا گھرتی ہیں۔ اس مواد سے علم بشریات اور علم سماجیات پر کتب مدوّن کی جاسکتی ہیں' جو قرآن کریم کے اصولوں کو بالتصریح واضح کر سکیں گی۔

6- احیائے اسلام کے سلسلے میں کی جانے والی کوششوں کی نوعیت کی داستان اور اس تحریک کے خلاف اٹھنے والی متعدد تحاریک کی کہانی: یہ سب کچھ ان دروس میں موجود ہے۔

7- عالمی سطح پر دارالعلوموں کے نصاب کی حالت اور اس کے متنوع مضمرات:

وہی فطرتِ اسد اللّٰہی ' وہی مرحبی وہی عنتری

تشتت وانتشار اور گروہی تشدد کے اس دور میں جتنی ضرورت آج اس کی ہے اس سے پہلے شاید ہی ہوگی۔ کردار کی تشکیل میں حائل موانعات سے ہماری آج کی مفلسی اور بدچلنی یہیں تو جڑ پکڑتی ہے' تعلیم (Education) سے اغماض اس کا آغاز ہے۔ یہ سارا مواد ان میں موجود ہے۔

8- انسانی فکر ونظر کی ہزاروں سال پر پھیلی ہوئی داستانِ حیات کا مآل وانجام: اور آج پھر تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے۔ یہ سب کچھ ان دروس میں موجود ہے۔

9- مذہب پرست اقوام کی تاریخ اور انجام کی داستان: جسے آج ثواب اور "حوروں" کے پیرائے میں عام کر کے' اس جہان کو جہنم زا بنایا جا رہا ہے۔ اس کی علت غائی اور تدارک کا سامان بھی ان میں وافر مقدار میں دعوت فکر قرآنی دے رہا

ہے۔

10- فکری سازشوں کی طویل داستان جس نے آج سب کو جہنم کے دہانے لا کھڑا کیا ہے۔

نہ ستیزہ گاہ نئی ' نہ حریفِ پنجہ فگن نئے

یہ بڑا ہی اہم مواد ہے جس پر ایک فکری تاریخ کی تدوین کی جاسکتی ہے اور اس فکر کے متنوع گوشے ہیں۔

11- آج محققین اُس وقت کے مروجہ محاورات پر کام کر سکتے ہیں: تا کہ اُس دور کے تمدن اور ارتقا کو سمجھ سکیں۔ ان دروس میں پنجابی محاورات کی بھرمار ہے جو اس وقت کے تمدن وتہذیب پر خوب روشنی ڈالتے ہیں اور جیتی جاگتی دنیا مالہ وماعلیہ کے ساتھ ابھر کر سامنے آجاتی ہے اور بتاتی ہے کہ دستاویز خداوندی سے انحراف کیسے ہوا۔ یہ مواد علم لسانیات میں گرانقدر اضافہ ہے۔

12- اسلام کے زوال کے اسباب کا مواد: کہ دینِ اسلام کیسے مذہب بنا ان دروس میں بتمام وکمال موجود ہے۔ اور ان اسباب کی تصریح نئے انداز سے کرنے کے لیے بہت سے نئے علوم کے راستے ہموار کرتا نظر آرہا ہے۔ یہ آنے والے محقق اور مؤرخ کے لیے ایک انمول خزینہ ہے۔

13- مختلف نظامہائے زندگی: مثلاً کمیونزم' سوشلزم' سرمایہ داری نظام وغیرہ کا پس منظر' پیش منظر' لزوماتِ جمہوریت اور اسلام کے نظام سے ان کا ٹکراؤ یہ ہیں فکر انسانی کے الجھے ہوئے مسائل جن کے لیے عقلِ انسانی کے پاس حیرت کے سوا کچھ بھی نہیں۔ عقل انسانی کی گتھیوں کو سلجھانے والا یہ سب مواد ان دروس میں موجود ہے۔

14- پاکستان میں عائلی قوانین کی داستان کے متنوع پہلو' ضبط ولادت: اور یہ کہ گھر کا یونٹ خوشگوار رہ سکے: دروس میں موجود یہ مواد قرآن کی روشنی میں غور وفکر کی دعوت دے رہا ہے۔ یہ آج کی ضرورت بھی ہے اور قرآن کا تقاضا بھی۔

15- قوم بنی اسرائیل اور تحریک پاکستان میں مماثلت کے اس بھنور سے نکالنے کے لیے مواد کی آج دنیا کو جتنی ضرورت ہے پہلے کبھی نہ تھی۔ یہ سب کچھ ان دروس میں موجود ہے۔

16- قرآنِ کریم کے خلاف سازشوں کے جال: قرآنِ کریم کی حفاظت کا ذمہ تو خدا نے لیا لیکن انسان نے اس کے ساتھ کیا کیا ہے' اس کی طویل فہرست وتفصیل دروسِ قرآن کی ان کتب میں ملے گی۔

17- قرآن مجید کی حقیقی تعلیم کی قدر و قیمت کو جاننے اور سمجھنے کے اصول وطریق: مثلاً یہ کہ دنیا کے مختلف مذاہب اور

اقوام میں اور ان کے فلسفے میں پہلے اعتقادات کیا تھے' نظریات کیا تھے اور پھر کیا سے کیا ہو گئے۔ یہ تمام تفصیل معہ عنوانات ان دروس میں وافر مقدار میں موجود ہے۔

18- تصوف کے دور کی ہڈ بیتیاں: یہ پرویزؒ کی اپنی زبانی ملیں گی۔ یہ ان کی زندگی کا وہ حصہ ہے جو تصوف کی وادیوں کی جان لیوا مشقوں کی نذر ہو کر رہ گیا۔ اس پر تاریخی' فلسفیانہ اور علومِ باطنیہ کے رموز و غوامض کی ایک بسیط اور غیر حقیقی دنیا موجود ہے، جس کی تلخ حقیقت وہی پا سکیں گے جو ان مراحل سے گزرے۔

19- جناب غلام احمد پرویز علیہ الرحمۃ کی سوانح حیات' ان کی شخصیت کے نرم و نازک گوشے: موسیقی و کھیل کے لطیف پیرائے' مثلاً لکھنے لکھانے کا' مضمون نویسی کا شغف کہ افسانے لکھا کرتا تھا' عربی میں مضامین لکھا کرتا تھا' لباس کی تراش خراش' گھر کا ماحول' نانا کا احوال (حوالہ مطالب القرآن فی دروس الفرقان' 3 نومبر 1968ء کا درس) مشعلہ حکمت بھی رہا' تصوف کی ریاضتیں بھی خوب کیں وغیرہ غیرہ۔ اس مواد سے سوانح پرویزؒ مرتب کی جا سکتی ہے' جو بڑی ہی مستند بھی ہو گی اور ذکر و فکر کے کئی گوشے بھی طشت از بام کر دے گی۔

20- جناب پرویزؒ کے لازوال تعلقات:

ا۔ مولانا محمد اسلم جیراجپوریؒ (1879-1955ء)

ب۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ (1876-1948ء)

ج۔ ڈاکٹر محمد اقبالؒ (1877-1938ء)

د۔ ڈاکٹر عبدالوہاب عزامؒ (م۔1959ء)

ان کے ساتھ تعلقات سے فکرِ پرویز نکھری بھی اور ان میں خاص طور پر ڈاکٹر عبدالوہاب عزام میں فکرِ اقبال کی تفہیم کے سلسلے میں نکھار قرآن بھی پیدا ہوا۔

یہ تعلقات قرآنِ کریم کے دیئے گئے نظام پر مرتکز ہوتے ہیں اور ڈالتے ہیں روشنی سامعین کے قلب و نظر پر' مگر یہ مواد اِدھر اُدھر ان دروس میں بکھرا پڑا ہے۔ اسے مرتب کر کے سامنے لانے کی از بس ضرورت ہے۔

21- پرویز علیہ الرحمۃ پر لگائے جانے والے اعتراضات و اتہامات کا قرآن حکیم کے نقطہءِ نظر سے مکمل جواب موجود ہے اور درد و کرب کی کسک بھی۔ یہ الزامات اور یہ کافرگری تو ہے ہی

اسی ساز کہن کی صدائے باز گشت

کہ لَاتَسۡمَعُوۡا لِهٰذَا الۡقُرۡاٰنِ (41:26) تم اس قرآن کو ہرگز نہ سننا۔ یہ ان سنگلاخ وادیوں سے کس ہمت واستقلال سے گزرے، وہ ہدیہ قارئین کرنے کی ضرورت ہے۔

22- نبی اکرم ﷺ کے دوسو سال بعد لکھی جانے والی تاریخ اور تفسیر قرآن کے نقائص اور ان کے مضمرات: قرآنِ کریم کی روشنی میں۔ یہ مواد ان دروس میں موجود ہے اور آج وقت کی بڑی اہم ضرورت بھی ہے۔

23- حضرت محمد ﷺ کی مکمل سیرت: اسی بیاسی جنگیں' اور حیات طیبہ کے نرم ونازک گوشے جو آج ہمارے لیے اسوۂ حسنہ ہیں اور قرآن حکیم کی روشنی میں وجہِ قلب ونظر بنتے ہیں۔ اس مواد سے مکمل کتاب تیار کی جاسکتی ہے۔

24- سامعین کی علمی سطح کے مطابق درس کے متن ومواد کی برجستہ' والہانہ ادائیگی کا فن موجود ہے اور وہ اصول ونوعیت بھی جس سے بات "طاقت پرواز مگر رکھتی ہے" اور انسانی اصول نفسیات کے ابواب وا کرتی ہے۔ ان دروس کے مواد میں ان پر بہت کچھ موجود ہے۔

25- شعور کی اقسام' اس کی تہیں' علاج اور طب نفسی: ان دروس میں انسانی نفسیات کی تہیں کھلتی ہیں اور زندگی کی بقا کو قابلِ ادراک بناتی ہیں اور حالت نیند پر روشنی ڈالتی ہیں۔ اس مواد کی روشنی میں طبی سائنس اور نفسیات کی بالکل نئی جہتیں محققین کو دعوت فکر دیتی ہیں اور علاج معالجے کے لیے اساس مہیا کرتی ہیں۔

26- دورِ حاضر کے تمام مسائل: (معاشی' معاشرتی' سیاسی اور افلاکی) اور ان کے قرآنی حل موجود ہیں مگر ہے کوئی جو اس دستاویزِ خداوندی کو بڑھ کر اٹھالے! یہاں اسے اٹھانے کا مواد دعوتِ عام دے رہا ہے مگر ہے یہ یارانِ میکدۂ قرآن کے لیے۔

27- جتنی کسی قوم میں دین کی بجائے مذہب کی گرفت زیادہ ہوتی ہے' اتنی ہی وہ قوم زیادہ ذلیل وخوار ہوتی ہے۔ کیوں؟

نہ رہی کہیں اسد اللہی ' نہ کہیں ابولہبی رہی

متعدد دروس میں اس " کیوں" کا جواب موجود ہے مثلاً فروری 1969ء کی 23 تاریخ کا درس۔

28- ایران اور یونان کی دونوں تہذیبوں کی کہانی جن کی بساط اسلام نے الٹ کر رکھ دی۔ کیسے؟ یہ ہے اہم سوال جس کا جواب ان دروس میں موجود ہے۔

29- بطلیموسی نظام اوراس کے آج تک وضع کردہ نظامہائے حیات پر اثرات: کیوں اس سے حیاتِ فکر کی جان نہیں چھوٹی؟ اس کا صافی وشافی جواب ان دروس کے مواد میں موجود ہے۔

30- مغربی اور مشرقی مفکرین کی سوچ اور قرآنِ حکیم کا اعجاز و ایجاز' جان اور تن کا معمہ۔ بس یوں کہیے کہ

کوئی کارواں سے ٹوٹا کوئی بد گماں حرم سے
کہ امیرِ کارواں میں نہیں خوئے دلنوازی

31- ایران کی تاریخ اور فتح ایران کی کہانی: مگر رہا پھر بھی "عجمی" اسلام کیوں؟

جاں لاغر و تن فربہ و ملبوس بدن زیب
دل نزع کی حالت میں' خرد پختہ و چالاک

32- مغربی مفکرین و ما دیّین کے انکشافات کی کتب مثلاً

کاف مین کی Black Holes & Walked Space Time

ڈینی سن کی Emotions as the Basis of Civilization

کارلائل کی Hero and Hero Worship

اروِن شرڈنگر کی What is life

راشڈل کی Theory of Good and Evil

ایڈورڈ گبن کی The History of the Decline & Fall of the Roman Empire

میسن (مدیر) کی The Great Design

ایرک فرام کی بیشتر کتب اور اسی طرح دوسرے بہت سے مفکرین کے مضامین اور کتب اور کتنے ہی مفکرین سے ملاقاتیں۔ یہ چند ایک تو محض بطور نمونہ دی گئی ہیں۔ ان کے نقد و نظر میں قرآنِ کریم نے بہت سے فکری گوشے انسانی آنکھ کے سامنے کھول کر رکھ دیئے ہیں۔ ان کی روشنی میں ہمارے آج کے نصاب میں یونیورسٹی کی سطح پر تبدیلیاں ممکن ہیں جن کی آج سخت ضرورت ہے۔

33- افراد اور اقوام کی زندگی کو صحیح خطوط پر استوار اور محکم کرنے کے لیے الفاظ اور اصطلاحات کی دنیا کی حرمت کے کردار کی اہمیت' اس میں سوچ کی بالیدگی' افراد و اقوام کے باہمی تصورات اور تعلقات کی نوعیت' ذہنی پس ماندگی اور ادراک کی مفلسی' تباہی و بربادی اور زبوں حالی کی اصل وجہ' دورِ ملوکیت میں فرقہ بندی کے تانے بانے اور خود ساختہ مذہبی تصورات جو اپنی جڑ پکڑتے ہیں۔ غیر

اسلامی رنگ کی درشت تہہ سے آئینہ اسلام کا حرکیاتی اور ارتقائی نظریہ یک سر جامد ہو کر رہ جاتا ہے۔ تفصیل ان تمام امور کی یہاں وہاں بکھری پڑی ہے صرف اسے اٹھا کر ایک لڑی میں پرونا ہے' زندگی (عمر نہیں) اپنے پس منظر اور پیش منظر میں کھڑی ہوگی۔

اور اسی طرح کے بے شمار مضامین' موضوعات ان دروس کی تفصیلات کے انبار میں دعوتِ غور و فکر دے رہے ہیں۔ یہ وجہ ہے کہ اس گرانقدر تفصیل کو اسی طرح دے دیا گیا ہے تاکہ آنے والی نسل اسے اپنے نظر و فکر کے آئینے میں لا کر قرآنِ حکیم کے حقائق سے مستفیض ہو سکے۔

اور قوم کی جہالت دور کرنے اور اسے قرآنِ حکیم سے قریب تر لانے کے لیے عملی اقدامات کر سکے اور اگر قسمت یاوری کرے تو محکمۂ قرآن کا کوئی میکش اس انبارِ تفصیلات کو الگ کر کے تفسیرِ قرآن از سرِ نو مدوّن کر سکے۔

ڈاکٹر منظور الحق

مدیر و پروفیسر (ریٹائرڈ)

جامعہ سندھ، حیدر آباد

0300-8377505

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

محترم خریدارانِ ماہنامہ طلوع اسلام!

آپ کو مجلّہ طلوع اسلام جب بذریعہ ڈاک موصول ہو تو براہِ کرم لفافہ کو پھینکنے سے پہلے اس کے اوپر اپنے زرِ شرکت سے متعلق تحریر کو ضرور پڑھیے جس پر آپ کا خریداری نمبر اور جس مہینہ اور سال تک آپ نے زرِ شرکت ادا کیا ہو' وہ مہینہ اور سال اس طرح لکھا ہوتا ہے:

Subscription Paid Up to 12/09/10/11

اس طرح آپ کو ادا شدہ یا واجب الادا زرِ شرکت سے متعلق ایک نظر ڈالنے پر معلوم ہوتا رہے گا۔ نیز زرِ شرکت بھیجتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے۔ ایڈریس کی تبدیلی کی صورت میں مہینہ کی 15 تاریخ تک ادارہ کو مطلع کیجئے تاکہ اس ماہ کا پرچہ آپ کے نئے پتہ پر ارسال کیا جا سکے۔ (ادارہ طلوع اسلام)

چونتیسواں باب: سورۃ آلِ عمران (آیت 194)

(تسوید درسِ قرآن از غلام احمد پرویز)

دعا کا بصیرت افروز، قرآنی مفہوم

عزیزانِ من! آج مئی 1970 کی 24 تاریخ ہے اور درسِ قرآنِ کریم کا آغاز سورۃ آلِ عمران کی 194 آیت سے ہوتا ہے: (3:194)۔

گزشتہ سے پیوستہ موضوع

آپ کو یاد ہوگا کہ سابقہ آیات میں بات یوں چلی آ رہی تھی کہ صحیح مومن وہ ہیں جو اس کائنات کی تخلیق پر غور و فکر کرتے ہیں، ایک ایک چیز کا تجزیہ کرتے ہیں، تحقیق کرتے ہیں اور اس کے بعد اس نتیجے پہ پہنچتے ہیں کہ **ربنا ما خلقت ھٰذا باطلًا** اے ہمارے نشو و نما دینے والے! تُو نے اس کائنات میں کوئی شے نہ تو بیکار پیدا کی ہے، نہ ہی تخریبی نتائج پیدا کرنے کے لیے پیدا کی ہے۔ اس کے بعد یہ چیز ہے جسے ہم دعا کہتے ہیں۔ کہا ہے کہ اس طرح ان کے لب پہ یہ چیز آ جاتی ہے کہ **فقنا عذاب النار** (3:190) ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہم اسی طرح فطرت کی قوتوں کو مسخر کریں، (علمی تحقیقات اور عملی تجربات کے بعد، اشیائے کائنات سے صحیح صحیح فائدہ اٹھائیں) اور یوں دنیا میں تباہ کن عذاب کی زندگی سے محفوظ رہیں، ذلیل اور خوار نہ ہوں۔

اب اس کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ ان قوتوں کو مسخر کر کے ہم انہیں تیرے بتائے ہوئے قوانین و اقدار کے مطابق صرف کریں اور اس طرح ہماری سعی و عمل کی کھیتیاں جھلسنے سے بچ جائیں۔ اور اس کے بعد یہ طریقہ بتایا ہے کہ جو کچھ تُو نے ہم سے اپنے رسولوں کی معرفت وعدے کیے ہیں انہیں قبول فرما۔ عزیزانِ من! وہ وعدے یہ ہیں کہ ایمان و اعمالِ صالحہ کا لازمی نتیجہ، اس دنیا میں استخلاف فی الارض ہے۔ یہ وہی ہے جسے کہتے ہیں کہ ایمان اور اعمالِ صالحہ سے اس دنیا کی حکومت، تمکن اور مملکت عطا ہوگی۔ کہا ہے کہ یہ چیزیں ہمیں عطا فرمائی جائیں۔

یہ چیزیں، یہ باتیں وہ ہیں جنہیں ہم اپنی عام اصطلاح میں دعا کہتے ہیں اور یہ دعاؤں کی شکل میں ان کے لب پر آ گئیں۔ اس کے بعد یہ ہے کہ **فستجاب لھم ربھم** (3:194)۔ عام معنی کے اعتبار سے یہ ہے کہ ''ان کے رب نے ان کی دعائیں قبول کر لیں''۔ لہٰذا آج کے درس کا موضوع نہایت ہی اہم ہے کہ دعا کسے کہتے ہیں؟ قبولیّتِ دعا کے معنی کیا ہیں؟ اگرچہ یہ چیز اس سے پہلے بھی ہمارے سامنے آ چکی ہے لیکن اس دفعہ کے درسِ نو میں تو ہمارا انتظام یہ ہے کہ جہاں جہاں بھی قرآنِ کریم میں وہ موضوع آئے، میں اس موضوع کو پھر اصرار و تکرار کے ساتھ اسی طرح سے دہراتا چلا جاؤں۔ درحقیقت ''درس'' کے تو معنی یہ

ہوتے ہیں کہ اس کے مفہوم کو مختلف انداز میں بار بار گاہتے چلے جانا' گاہتے چلے جانا' تآنکہ چھلکوں میں سے دانے الگ ہو کر سامنے آ جائیں۔ اس لیے اس موضوع کو پھر سامنے لایا جائے گا۔ اور بات بھی بڑی اہم ہے۔

ہمارے ہاں کا مروّجہ تصور' اس کے مضمرات اور الجھنیں

عزیزانِ من! ہمارے ہاں تو تصور یہی ہے کہ کوئی مشکل آ پڑے' کوئی مصیبت آ جائے' اس کے لیے خدا سے بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ دعا کی جائے پھر خدا اس دعا کو قبول کر لیتا ہے' وہ مشکل آسان کر دیتا ہے اور وہ مصیبت ٹل جاتی ہے۔ یہ ہے ہمارے ہاں دعا کا تصور۔ اب اس تصور کے ماتحت ایک بڑی الجھن پیدا ہوتی ہے جس کا پھر جواب نہیں ملتا۔ اسے ایک مثال سے سمجھیے کہ ایک بیوہ ماں کی زندگی کا ایک ہی سہارا اس کا ایک نوجوان بچہ ہے جسے اس نے ایک ایک دن گن کر' پروان چڑھایا' پرورش کیا اور وہ جوان ہوا' اس کی زندگی کا سہارا بنا۔ وہ اچانک بیمار ہوا۔ اب یہ ماں اس کے سرہانے بیٹھے' جس خلوص سے دعا کرتی ہے' اس خلوص میں کوئی شک وشبہ نہیں ہوسکتا۔ اس بچے کو اگر شفا ہو جائے تو یہ بھی نہیں ہے کہ اس سے کسی دوسرے کا حق مارا گیا ہے۔ میں ابھی عرض کروں گا کہ دوسرے کے حق مارے جانے والی دعا کیا ہوتی ہے۔ اِس دعا میں یہ بھی صورت نہیں ہے۔ اس کی ہزار مخلص دعاؤں اور خلوص کے باوجود' آنسو بہہ جانے کے باوجود' صبح کے وقت وہ بچہ دم توڑ جاتا ہے' مر جاتا ہے۔ یہاں وہ الجھن پیدا ہوتی ہے کہ اتنے خلوص سے مانگی ہوئی دعا بھی قبول نہیں ہوئی تو اس کا جواب ہمارے پاس اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ''خدا کو منظور ہی ایسا تھا''۔ عزیزانِ من! یہ صرف کہہ دینے کے لیے الفاظ ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں قرآن کی جو تعلیم پیش کرتا ہوں وہ اس لیے تو نہیں ہے کہ جو کچھ ہم الفاظ استعمال کرتے چلے آ رہے ہیں' کرتے چلے جائیں' جو تصورات ذہن میں قائم ہیں' میں انہی کو محکم کرتا چلا جاؤں۔ میرا منصب تو یہ ہے کہ قرآنِ کریم جو کچھ کہتا ہے اسے آپ کے سامنے پیش کروں۔

میں نے کہا ہے کہ اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ''خدا کو منظور ہی یہی تھا''۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہونا وہی تھا جو خدا کو منظور ہے تو یہ دعائیں بیچ میں کاہے کے لیے آ گئیں۔ اور اگر دعاؤں سے وہ چیز بدل سکتی ہے جو خدا کو منظور تھی تو خدا کی یہ جو پہلی منظوری ہے وہ کس کام آئی۔ یہ سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ اور پھر جو میں نے کہا تھا کہ وہ دعائیں بھی ہیں جن سے دوسرے کا نقصان ہوتا ہے (مثلاً) دو فریقوں کے درمیان ہائیکورٹ میں مقدمہ ہوتا ہے۔ صبح کو فیصلہ ہونا ہوتا ہے۔ مدعی اپنے ہاں دعا کر رہا ہے' مدعا علیہ اپنے ہاں دعائیں کر رہا ہے۔ دونوں ایک ہی خدا سے دعا کر رہے ہیں کہ میرے حق میں فیصلہ ہو۔ دعا سے بھی ایک فریق آگے بڑھتا ہے۔ وہ نیاز کے تصور کے تحت خدا سے کچھ منت مان لیتا ہے کہ میں اتنے کی نیاز دونگا۔ دوسرا اس سے سوائے کی نیاز دینا شروع کر دیتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ان میں سے کس کی دعا قبول ہوگی؟ اگر یہ ہے کہ جس فریق نے زیادہ شدت سے'

گڑگڑا کر دعا مانگی ہے' زیادہ منت مانگی ہے' اس کی قبول ہوگی تو اس کے معنی ہیں کہ خواہ وہ مقدمہ جھوٹا ہی ہو' کیا اس کے حق میں ہی فیصلہ ہو جائے گا؟ اور اگر یہ ہے کہ نہیں' جو سچا ہے اس مقدمے میں فیصلہ اس کے حق میں ہوگا تو پھر اسے دعا مانگنے کی کیا ضرورت ہے' خدا کو تو علم ہے کہ یہ سچا ہے یا جھوٹا ہے۔ کہا تو اس سے جائے جسے علم اس کا نہ ہو۔ وہ تو خبیر ہے' وہ تو علیم ہے' وہ تو جانتا ہے' وہ تو دل میں گزرنے والے خیالات سے بھی واقف ہے۔ اور اس کے بعد صبح ہم دیکھتے یہ ہیں اور عام طور پہ روز یہ ہوتا ہے کہ وہ جو سچا اور حق دار ہے اس کے خلاف ڈگری ہو جاتی ہے' اس کے خلاف فیصلے ہو جاتے ہیں۔ سچا بھی ہے' حق پر بھی ہے' دعائیں بھی مانگیں' پھر بھی اس کے خلاف فیصلہ ہوا۔ میں کہہ یہ رہا ہوں کہ سوچنے سے یہ تمام سوالات پیدا ہونگے۔ لہٰذا چیز یہ ہے کہ ہم ایک چیز کو تسلیم کرتے چلے آ رہے ہیں اور یہ بھی ہے کہ اسے چھیڑو بھی نہیں کہ صاحب! اسے چھیڑنے سے ایمان خراب ہوتا ہے۔

ایمان عقل وفکر کے بعد لانے کی چیز ہے' یہ کوئی جذباتی چیز نہیں ہے پھر نوجوان طبقہ موردِ الزام کیوں؟

عزیزانِ من! اسے چھیڑنے سے اگر ایمان ایسا ہی کوئی چھوئی موئی سی چیز ہے تو ایسا ایمان ہونے سے تو نہ ہونا اچھا ہے جو ذرا سے چھیڑنے سے ختم ہو جائے۔ گرنے والے مکانوں کو تو میونسپل کارپوریشن خود آ کر انہیں پہلے گرا دیتی ہے کہ اگر یوں گر گئے تو لوگ نیچے آ جائیں گے۔ ایمان تو وہ ہے ایمانِ مُحکم کہ جتنا جی چاہے اسے چھیڑیئے' وہ پختہ سے پختہ تر ہوتا چلا جائے۔ ایمان کی پختگی کے معنی یہ ہیں۔ ایمان سوچنے سمجھنے کے بعد' Rationally 'عقل وفکر کے بعد' علم وبصیرت کے بعد لایا جاتا ہے' یہ ایک یقینِ محکم کا نام ہے۔ یہ Faith نہیں ہے' یہ Conviction ہے' ایک یقین ہے جو علم وبصیرت کی بنا پہ حاصل ہوتا ہے۔ یہ جذباتی چیز نہیں ہے۔ وہ جذباتی اطمینان ہوتا ہے جس کی عمارت ذرا سے کریدنے سے نیچے آ گرتی ہے۔ یہ جو آپ کہتے ہیں کہ صاحب! نوجوان طبقہ سرکش ہو گیا' سوشل ازم آ گئی' کمیونزم کا الحاد آ گیا' ایمان خراب ہو گیا۔ یہ کونسا ایمان تھا جو خراب ہو گیا؟ یہ وہی ''ایمان ہے'' جسے چھیڑنے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔

ایسے دلائل جن کی کوئی بنیاد ہی نہ ہو ان پر اٹھنے والی عمارت کبھی قائم نہیں رہ سکتی

آپ اسے چھیڑنے کی اجازت نہ دیجیئے' اسے کوئی آدمی نہیں چھیڑے گا لیکن یاد رکھیے! جھکڑ آئے گا تو اس میں عمارت گر جائے گی۔ جس کی بنیاد کمزور ہے آپ کب تک اسے اس قسم کی دعاؤں اور تعویذوں کے سہارے محفوظ رکھیں گے۔ یہ گرے گی۔ مُحکم عمارت وہ ہے کہ ہزار جھکڑ آئیں مگر وہ اپنے زورِ دروں کے بل پر قائم رہے۔ اس کی بنیاد مُحکم ہونی چاہیے۔ لہٰذا' عزیزانِ من! جسے آپ خدا پر ایمان کہتے ہیں' وہ اس یقینِ محکم کا نام ہونا چاہیے کہ ہزار جھکڑ اٹھتے چلے جائیں مگر وہ قائم ودائم رہے۔ جھکڑ کیا ہیں؟ یہی آپ کے ہاں کے دلائل ہی تو ہونگے یعنی کوئی فلسفے کے دلائل ہونگے' کوئی منطق سامنے آئے گا' کوئی فطرت کے شواہد آئیں

گئے' کوئی تجربات کے نتائج سامنے آئیں گے۔ یہ آتے چلے جائیں۔ یہ جتنے آتے چلے جائیں وہ ایمان محکم سے محکم تر ثابت ہوتا چلا جائے۔ اُسے ایمان کہا جائے گا۔ لہٰذا ابھی آپ نے جو سوچا کہ ہم دعا کے متعلق جو کہہ رہے ہیں' جو ذہنوں میں ایک تصور چلا آ رہا ہے' اس کو ذرا سا بھی اگر آپ پرکھتے ہیں تو عمارت ہل جاتی ہے۔ یہ کیا چیز ہے؟ ٹھیک ہے' اس سے ایک اطمینان وسکون حاصل ہو جاتا ہے۔ اطمینان اور سکون خالی جذباتی چیز ہے۔ یہ تو جو بت کدے میں بت کے سامنے گڑگڑاتا ہے' اسے بھی حاصل ہو جاتا ہے' اسے بھی اطمینان مل جاتا ہے۔ یہ جو قبروں پہ جا کر اپنی مرادیں مانگ کر آ جاتے ہیں ان کو بھی اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ انہیں بھی سکون حاصل ہو رہا ہوتا ہے۔ پتھروں سے' چونے اور مٹی کی عمارتوں سے' پھر اپنے جیسے انسانوں سے جنہیں حضرت جی کہا جاتا ہے اُن سے بھی حاصل ہو جاتا ہے۔

انسان کا جذباتی طور پر اطمینان حاصل کر لینا علم وبصیرت کی کسوٹی پر پورا نہیں اتر سکتا

اطمینان کی چیز تو یہ ہے کہ جہاں بھی جس کا دل کھُب جائے' وہ وہاں سے اطمینان لے کر آ جاتا ہے۔ اطمینان وہ چیز ہے۔ یہ خالی جذباتی چیز ہے۔ جب بھی وہ اطمینان علم وبصیرت کی کسوٹی پہ کسا جائے گا تو اُس کی عمارت کھڑ کھڑا کر گر جائے گی۔ اصل اور حقیقی اطمینان وہ اطمینان ہے جو یقین کے سہارے قائم ہو۔ لہٰذا دیکھنے کی یہ چیز ہے۔ ان چیزوں سے ڈرنا نہیں چاہیے۔ شکوک ابھرتے ہیں تو ان کو ابھرنے دینا چاہیے کہ پھانس تو ایسی چیز ہے کہ وہ ہوتی اتنی خفیف سی ہے مگر انسان کو ساری رات سونے نہیں دیتی۔ اس کا نکال دینا ضروری ہے۔ اور قرآن کا تو دعویٰ یہ ہے کہ وہ اس قسم کی تمام شکوک وشبہات کی پھانسیں نکال کر یقین کے سہارے پہ ایک اطمینان پیدا کرتا ہے۔ عزیزانِ من! اسے ایمان کہتے ہیں۔

دعا کیا ہے اور یہ قبول کیسے ہوتی ہے؟ بات تو قرآن نے اسی آیت میں دو لفظوں میں واضح کر دی ہے۔ ہم ہی اس پہ غور نہیں کرتے' آگے بڑھ جاتے ہیں۔ یہ جو ہم کہتے ہیں کہ ''انہوں نے دعائیں مانگیں''۔ یہ میں آگے چل کر عرض کروں گا کہ یہ مانگنا کیا ہے اور دعا مانگنا کسے کہتے ہیں۔

دعا کا لغوی مفہوم ''پکارنا'' ہوتا ہے مانگنا نہیں' خدا کی طرف سے پکار کا جواب ''انسانی عمل سے مشروط ہوتا ہے''

عزیزانِ من! ان آیات میں یہ تھا کہ **ربنا و اٰتنا ما وعدتنا** (3:193) (اے ہمارے نشوونما دینے والے! تُو نے ہم سے اپنے رسولوں کے ذریعے' جن خوشگواریوں اور سرفرازیوں کا وعدہ کیا ہے (24:55) اُن سے ہمیں بہرہ یاب کرنا)۔

دیکھتے ہیں آپ' یہ وہی چیز ہے جسے ہم کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنی دعا مانگی۔ اگلی آیت میں کہا کہ **فاستجاب لھم ربھم (3:194)** ترجمہ ہم نے کیا کہ خدا نے ان کی دعا قبول کر لی۔ موج ہوگئی' بیٹھے گھر میں۔ عزیزانِ من! یہ بات نہیں ہے۔ وہاں سے یہ جواب ملا کہ **فاستجاب لھم ربھم (3:194)** اِنہوں نے اُس اپنے نشوونما دینے والے کو پکارا۔ یاد رکھیے! عربی زبان میں ''دعا'' کے معنی مانگنا نہیں ہوتا' پکارنا ہوتا ہے۔ ابھی میں عرض کروں گا کہ یہ پکار بھی کیا ہوتی ہے۔ بہرحال انہوں نے پکارا اور اس کا جواب ملا۔ یوں کہیے کہ انہوں نے ایک بات کہی' اُدھر سے یہ جواب ملا۔ اور یہ جو جواب ہے' عزیزانِ من! اس میں دعا کا یہ سارا مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ یہ تو قرآن ہے۔ کہتا ہے کہ **فاستجاب لھم ربھم (3:195)** کہیے یہی کہ خدا نے ان کی دعاؤں کو قبول کیا اگر آپ کہنا چاہتے ہیں۔ اگلی بات بھی تو سنیے کہ پھر کیا کیا۔ اور میں کہتا ہوں کہ یہ کہیے کہ اُدھر سے جواب ملا۔ کیا جواب ملا؟ یہ ملا کہ **انی لا اضیع عمل عامل منکم (3:194)** یاد رکھو! ہم تم میں سے کسی کام کرنے والے کے کام کے اجر کو ضائع نہیں کیا کرتے۔ یہ جواب ملا۔ میں نے عرض کیا تھا کہ بات تو قرآن کے چار لفظوں میں حل ہو جاتی ہے۔ تم نے کہا کہ یہ ہو' اُس نے کہا کہ ٹھیک ہے تم چاہتے ہو کہ ایسا ہو۔ ہمارا قانون یہ ہے کہ ہم کسی کام کرنے والے کے کام کے اجر کو ضائع نہیں کیا کرتے۔ اس کے مطابق کرو تو ایسا ہو جائے گا۔ ہمارا یہ وعدہ ہے۔ اُنہوں نے کہا تھا کہ **انک لا تخلف المیعاد (3:193)** تو اپنی وعدہ خلافی نہیں کیا کرتا۔ کہا کہ تم نے بالکل ٹھیک کہا ہے' بڑا صحیح سمجھا ہے کہ ہم وعدہ خلافی نہیں کیا کرتے' ہمارا وعدہ یہ ہے کہ **انی لا اضیع عمل عامل منکم (3:194)** تم میں سے جو بھی کام کرے گا اس کے کام کا اجر ضائع نہیں کریں گے۔ یہ ہمارا وعدہ ہے۔

دعا کا جواب آپ نے سن لیا۔ جو چاہتے ہو کہ ایسا ہو تو اس کے لیے کام کرو۔ ہمارا وعدہ یہ ہے کہ ہم کام کرنے والے کے کام کے اجر کو ضائع نہیں کیا کرتے۔ اُس نے دونوں گروہوں کو کہہ دیا کہ **من ذکرٍ او انثٰی (3:194)** اس میں یاد رکھیے! عورت ہو' مرد ہو' کسے باشد۔ یہ تمیزیں تم نے ہی اپنے ہاں پیدا کی ہوئی ہیں۔ اگلے کیا الفاظ ہیں! **بعضکم من بعض (3:194)** ہمارے ہاں دونوں میں کوئی امتیاز نہیں' تم سب ایک ہی ہو۔ کوئی بھی آرزو دل کے اندر پیدا کرے اس کے حصول کے لیے کام کرے مگر کام کرنے کا طریقہ صحیح ہو۔ قرآن نے یہ آگے بتایا ہے میں ابھی اس پہ آؤں گا۔ کہا ہے کہ غلط طریقے پہ کام نہ کرے بلکہ صحیح طریقے پر کام کرے۔ ''عامل'' کا لفظ ''کام کرنے والے'' کے معنوں میں آتا ہے۔ یہاں عورت اور مرد دونوں کے متعلق یہ کہہ دیا۔

کسی عظیم مقصد کے حصول کے لیے ہجرت تک کا عمل ناگزیر ہو جاتا ہے اور اس عمل کا بدلا بھی

اور یہ کام پھر کس قسم کے ہیں؟ سنیے! کن کی دعائیں قبول ہوتی ہیں کہا کہ **فالذین ھاجروا و اخرجوا من دیارھم وا**

اوذوا فی سبیلی و قٰتلوا و قتلوا (3:194) اللہ اکبر! ہم سے دعائیں قبول کرانا چاہتے ہو؟ سنو! ان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ یہ عامل ان کو کہتے ہیں کہ جنہیں اپنے مقصد کے حصول کے لیے جو کچھ چھوڑنا پڑے چھوڑ دیں۔ اسے ہجرت کہتے ہیں۔ اگر گھر بار چھوڑنے کی نوبت آئے' اسے بھی چھوڑ دیں۔ نصب العین کے حصول کا عشق اسے کہا جاتا ہے۔ عشق میں سب کچھ چھوڑنا ہوتا ہے۔ کیا بات آ گئی اس عشق کی! اسے قرآن کے الفاظ میں لیجیے۔ یہ اپنے نصب العین کے حصول کے لیے جو انتہائی تڑپ ہے' اس کا نام عشق ہے۔ اس کے لیے **ھاجروا** (3:194) سب کچھ چھوڑنا پڑے۔ انداز تو غزل کا ہے مگر بات بڑی پتے کی کہی ہے:

عشق میں ایک تم ہمارے ہو
باقی جو کچھ ہے سب تمہارا ہے

باقی سب جو تمہارا ہو گیا تو پھر **ھاجروا** کی بات تو صاف ہو گئی صاحب! جس مقصد کے لیے یہ چھوڑنا ہے' یہ بھی ہم نے چھوڑا' یہ چھوڑنا ہے' یہ بھی ہم نے چھوڑا۔ **و اخرجوا من دیارھم و اوذوا فی سبیلی** (3:195) اس کے لیے خواہ گھر بار سے کیوں نہ ان کے نکال دیا جائے' سخت مصائب ان کے اوپر کیوں نہ آ جائیں حتیٰ کہ یہاں تک کیوں نہ نوبت آ جائے' وہی آخری منزل عمل کی جو میدانِ جنگ میں ہوتی ہے کہ **و قٰتلوا و قتلوا** (3:195) میدانِ جنگ میں بھی نکلے' وہاں لڑے' ٹھیک ہے فاتح منصور بھی لوٹے' جان بھی وہاں دیدی۔ یہ ہیں وہ لوگ جن کے لیے کہا ہے کہ **لاکفرن عنھم سیاٰتھم و لادخلنھم جنٰت تجری من تحتھا الانھٰر** (3:194) یہ ہیں وہ لوگ ہیں کہ جن کی چھوٹی بڑی ناہمواریاں' اس حسنِ عمل کے زیادہ وزن سے دور ہو جاتی ہیں۔ جنت ان کا مقام ہو جاتا ہے: اس دنیا کے اندر بھی اور آخرت میں بھی۔ **ثوابًا من عند اللہ** (3:195) (یہ خدا کی طرف سے اُن کے اعمال کا بدلا ہے)۔ تم نے دعا مانگی' سنو! ہم تو بھائی' اجر دیا کرتے ہیں معاوضہ دیا کرتے ہیں بدلا دیا کرتے ہیں۔

لفظ ثواب کا لغوی مفہوم ''کچھ حاصل ہونا'' ہے نیز خدا کو پکارنے کی ایک عملی مثال

ثواب کے معنی ''عمل کے اجر'' کے ہیں کہ جتنا کچھ صرف کیا جائے اتنا واپس مل جائے۔ ہم کوئی چیز ضائع نہیں ہونے دیا کرتے۔ ثواب یہ ہے کہ تم صرف جتنا کرتے ہو وہ تمہیں واپس مل جائے گا کہا ہے کہ **و اللہ عندہ حسن الثواب** (3:194) ہم ''عمل کا اجر وصلہ'' واپس دیتے ہیں اور بڑے حسن کارانہ انداز سے دیتے ہیں۔ حسن وہ ہوتا ہے جس میں توازن نہ بگڑنے پائے۔ جو چیز تم نے صرف کی ہے' اس سے کچھ توازن بگڑے گا لیکن ''حسن الثواب'' یہ ہے کہ ہم نہایت حسین انداز سے واپس دیتے ہیں کہ تمہارا توازن نہ بگڑنے پائے۔ کہا یہ ہے کہ **فاستجاب لھم ربھم** (3:194) جسے آپ کہتے ہیں کہ دعائیں قبول

کیں۔ کہا ہے کہ **لا اضیع عمل عامل منکم** (3:194) (اُنہوں نے ان حسین آرزوؤں کے ساتھ' خدا کی دعوت پر لبیک کہا اور خدا کے قانون نے آگے بڑھ کر ان کی پکار کا جواب دیا۔ اس کے لیے دیکھیے (2:186) یہ وہی ہے)۔ یہ چار لفظ ہیں۔ میں نے عرض کیا تھا کہ دعا' مانگنا نہیں' پکارنا ہے۔ زندگی کے دوراہے پر ہم کھڑے ہوگئے۔ وہاں یہ معلوم نہیں ہورہا کہ کس راستے پہ چلیں گے تو وہ راستہ ہمیں صحیح منزل تک پہنچا دے گا۔

عزیزانِ من! وہاں اس دوراہے پر کھڑے ہوئے آپ کیا کرتے ہیں؟ کوئی جو جانے والا ہے' اُسے آواز دیتے ہیں: دیکھنا بھائی! ذرا ادھر آنا۔ مجھے یہاں سے شہر کی طرف جانا ہے' کس راستے پہ کس سڑک پہ جاؤں؟ وہ کہتا ہے: اِدھر چلے جایئے۔ یہ ہوتا ہے کسی کو پکارنا' آواز دینا کہ بھئی! ذرا مجھے بتا دیجیے۔ زندگی کے ہر دوراہے پہ خدا کی راہنمائی کو آواز دینا کہ مجھے بتا دو اس چوراہے پہ کہ کونسا راستہ اختیار کروں کہ منزلِ مقصود پہ جا پہنچوں۔ پھر معلوم ہو جانے کے بعد راستہ وہی اختیار کریں جو آپ پہلے چاہتے تھے' وہ نہیں جو صحیح معنی میں اُدھر جارہا ہے۔ آپ کا سارا عمل رائیگاں چلا گیا۔ اور اگر آپ وہیں کھڑے ہی رہیں اور کہتے رہیں یا اللہ! انارکلی پہنچا دے مولا! انارکلی پہنچا دے۔ سوال یہ ہے کہ زندگی کے دوراہے پہ آپ کو معلوم ہو کونسا راستہ کدھر جاتا ہے' جدھر جانا ہے اُس راستے پر پھر چل نکلیے۔ اب یہ جو یوں جانے والا ہے' اس کا ہر قدم منزل کو کھینچ کر اس کے قریب لا رہا ہے۔ یہ ہے **لا اضیع عمل عامل منکم** (3:194) تم میں سے جو بھی اس طرح کام کرنے والا ہے' ہم اس کے کام کا اجر ضائع نہیں کیا کرتے۔

خدا تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ قوانین کو عملی طور پر تسلیم کرنا' عبادت یا عبودیت کہلاتا ہے تو پکار کا جواب چہ معنی دارد

لہٰذا دعا کے معنی ہی پکارنا کے ہیں۔ یہ پکار ہے اور پکار کے ساتھ جو میں نے ابھی عرض کیا ہے کہ ہمارے احکام کے مطابق کام کرنا' اس کو عبادت کہتے ہیں' اسے عبودیت کہتے ہیں۔ یہ خدا کے قوانین کی فرماں پذیری ہے' یہ اس کے احکام کے مطابق کام کرنا ہے۔ دیکھیے! قرآن کیا کہتا ہے۔ قرآن تو معنی خود متعین کرتا جاتا ہے۔ سورج تو خارج کی روشنی کا محتاج ہی نہیں ہوتا۔ کہا ہے کہ **و قال ربکم ادعونی استجب لکم** (40:60) تمہارے رب نے یہ کہا ہے کہ پکارو مجھے' میں تمہاری پکار کا جواب دوں گا۔ یہ ہے سب سے بڑی چیز۔ زندگی کے دوراہے پہ جہاں آپ کھڑے ہونگے' وہاں جب آپ پکاریں گے' پکار کا جواب ضرور ملے گا۔ کہاں سے ملے گا؟ آپ نے بھی تو خدا کو ہزاروں بار پکارا ہوگا' کیا کبھی کوئی آواز کان میں آئی؟ وہ کہتا ہے کہ جواب دوں گا۔ یہاں سے بات بڑی اہم آتی ہے کہ ہمارا اور خدا کا تعلق کس طرح سے قائم ہوتا ہے۔ بڑے خلوص سے آدھی رات کو اٹھ کر ہم آنسوؤں کی جھڑی کے ساتھ سجدے میں گرے ہوئے اسے پکارتے ہیں۔ آواز نہیں آتی حالانکہ وہ کہتا ہے: پکارو جواب

دوں گا۔ بات کیا ہوئی؟

خدا تعالیٰ کا انسانوں کے ساتھ باہمی ربط کس سے قائم ہے اور جواب کہاں سے ملتا ہے؟ ایک اہم سوال

عزیزانِ من! اب سوال یہ ہے کہ ہمارا اور خدا کا تعلق کس چیز سے ہے؟ سُنیے! ہمارا اور خدا کا تعلق براہِ راست نہیں ہے۔ اس کا اور ہمارا تعلق اس کی کتاب (قرآنِ مجید) کے ذریعے ہے' اس کے کلام کے ذریعے ہے۔ غور سے سوچیں گے تو بات بڑی عجیب سمجھ میں آئے گی۔ وہ خدا کہ جو قیاس وخیال وگمان ووہم میں نہ آ سکے' اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اس کو دیکھنا سننا تو ایک طرف رہا۔ وہ خدا تو خیال وقیاس میں بھی نہیں آ سکتا۔ اس کے ساتھ ہمارا تعلق' اپنے ذہن میں' اپنے جی میں جو آئے آپ دھر لیجیے۔ وہ تو غیر محسوس' غیر مرئی خدا ہے' وہ تصور میں بھی نہ آ سکنے والا خدا ہے۔ اس نے ہمیں اپنے آپ کو ایک محسوس شکل میں دیا ہے اور وہ ہے اس کا کلام۔ قرآن کو کلام اللہ کہا جاتا ہے۔ یہ ہمارے سامنے اس شکل میں آ گیا۔ ہم قرآن پڑھتے ہیں تو خدا ہم سے باتیں کرتا ہے۔ ہم اس کو پکارتے ہیں تو ہمیں اس سے جواب ملتا ہے۔ اس سے جواب ملے گا۔ یہ ہے وہ چیز جو قرآن نے کہی ہے کہ **اذا سالک عبادی عنی فانی قریب (2:186)** اے رسول! میرے بندے تجھ سے میرے متعلق پوچھتے ہیں کہ خدا کہاں ہے۔ کیا کہیں عرشِ عظیم پہ بیٹھا ہوا ہے' کہیں ہم سے دور ہے؟ کہا کہ **فانی قریب (2:186)** ان سے کہو کہ دور نہیں ہے' میں تو تمہارے پاس ہوں اور **اجیب دعوۃ الداع اذا دعان (2:186)** جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو اس کی پکار کا جواب دیتا ہوں۔ میں پھر عرض کر دوں کہ یہ تو ہمارا اپنا بھی تجربہ ہے کہ ہماری پکار کا جواب آواز کی شکل میں ہمیں نہیں ملتا۔ اب وہ کہتا ہے کہ پکار کا جواب دیتا ہوں۔ **دعوۃ الداع اذا دعان (2:186)** ہر پکارنے والا جب بھی پکارتا ہے اس کی پکار کا جواب دیتا ہوں۔ اب سوال یہ ہے کہ کہاں سے جواب ملتا ہے؟

خدا کی ذات پہلے انسان سے اپنی پکار کا جواب لینا چاہتی ہے پھر تمہاری پکار کا جواب دیتی ہے

عزیزانِ من! جس معنی میں ہم دعا لیتے ہیں' اس میں تو ہمیں جواب نہیں ملتا۔ وہ ہر پکارنے والے کو کہتا ہے کہ جب پکارتا ہے تو جواب دیتا ہوں۔ آگے یہ ہے کہ ان سے کہو کہ **فلیستجیبوا لی و لیؤمنوا بی (2:186)** ان سے کہو کہ وہ ہماری اس چیز کے اوپر ایمان لائیں اور پہلے ہماری پکار کا جواب دیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ان کی پکار کا جواب دیں' ان سے کہو کہ پہلے تمہاری طرف سے ایک کام ہونا چاہیے۔ وہ یہ **فلیستجیبوا لی** ہے تم نے پکارا ہے مگر اس سے پہلے ہم نے تمہیں پکارا ہے۔ پہلے اُس بات کا جواب دو اپنی ہی نہ ہانکتے چلے جاؤ مگر تم ہو کہ ''جو میں کہنا آں اوہدا جواب دے آں' اپنی ماری ترے جاندے او''۔ کیا بات ہے! **فلیستجیبوا لی (2:186)** میں نے تمہیں پکارا ہے' تم سے پہلے پکارا ہے' پہلے اس کا جواب دو۔ **ولیؤمنوا بی (2:18)**

اور جو کچھ میں نے کہا ہے اس کی صداقتوں پر ایمان لاؤ اور جواب دو جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے۔ تم سے کہا تھا کہ آتے ہو میدانِ جنگ میں یا نہیں؟ اس کا کیا جواب ہوگا؟ ٹھیک ہے' آتے ہیں۔ لبیک اللھم لبیک آتا ہوں' آ رہا ہے تیرا بندہ۔ کہا کہ یہ کہو' اس کے بعد پھر دیکھو میں تمہاری آرزوئیں کس طرح پوری نہیں کرتا۔ پہلے میری بات کا جواب دو۔ یہ ہے فلیستجیبوا لی ولیؤمنوا بی (2:186) یہ کچھ کا ہے کے لیے ہے؟ کہا کہ لعلھم یرشدون (2:186) تا کہ صحیح راستہ تمہارے سامنے آ جائے۔ میری بات کا جواب دو' صحیح راستہ سامنے آ جائے گا۔ بس صحیح راستہ سامنے آئے گا تم دیکھو گے کہ کس طرح سے میں تمہاری بات کا جواب دیئے چلا جاتا ہوں۔

عزیزانِ من! اب سوال یہ ہے کہ یہ پکارنا کیا ہے؟ یہ زندگی کے دوراہے پر اس سے پوچھنا ہے کہ مجھے بتاؤ کہ صحیح راستہ کونسا ہے۔ اس قرآن سے آپ کی ہر دعا کا جواب ملے گا' ہر پکار کا جواب ملے گا' جو پوچھو گے یہ جواب دے گا' جہاں پوچھو گے وہیں جواب دے گا۔ اس لیے کہا ہے کہ اجیب دعوۃ الداع اذا دعان (2:186) ہر بلانے والا جب مجھے بلاتا ہے میں اس کے بلانے کا جواب دیتا ہوں۔ بلا کر دیکھیے' پکار کر دیکھیے' خدا سے پوچھیے کہ مجھے ایسے میں کیا کرنا چاہیے۔ خدا اپنے اس کلام کے ذریعے جواب دیتا ہے۔ اور چونکہ اس نے کہا ہے کہ تمت کلمۃ ربک (6:115) یہ بات مکمل ہوگئی اس لیے ہو نہیں سکتا کہ تمہارا کوئی سوال اس کی طرف جائے اور اس کا جواب تمہیں اس سے نہ ملے۔ جواب اس سے ملے گا وہ تمہیں براہِ راست نہیں کہے گا۔ یہی تو بات تھی۔ اگر اس نے براہِ راست یہ کچھ کرنا ہوتا تو وہ اپنے رسولوں کو کیوں بھیجتا' کتابوں کو کیوں بھیجتا' تم بات کرتے بات کا جواب ملتا۔ اب اس کتاب میں تمہاری ہر بات کا جواب اس نے دے رکھا ہے

خدا تعالیٰ کے احکام پر تکبر کا برتنا جہنم کو دعوت دیتا ہے

کہا ہے کہ فلیستجیبوا لی ولیؤمنوا بی لعلھم یرشدون (2:186) (میرا قانونِ ہدایت جو قرآنِ کریم کے اندر محفوظ ہے' اس کی پکار کا جواب دیتا ہے اور اُبھر کر اس کے سامنے آ جاتا ہے۔ لہٰذا ان سے کہو کہ قربِ خداوندی کا طریقہ یہ ہے کہ یہ لوگ میرے قانون کی صداقت پر یقینِ محکم رکھتے ہوئے اس کی پوری پوری اطاعت کریں)۔ دیکھتے ہیں بات کیسے واضح ہوتی جا رہی ہے۔ کہا ہے کہ پہلے میری بات کا جواب دو۔ یہ جواب کس طرح سے تھا؟ آ جایئے اُدھر (40:60) پر۔ کہا ہے کہ قال ربکم ادعونی استجب لکم (40:60) تمہارا رب کہتا ہے کہ مجھے بلاؤ' میں تمہارے بلانے کا جواب دوں گا۔ اچھا جی لیکن سن رکھو کہ ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جھنم داخرین (40:60) جو شخص بھی ہمارے احکام کی اطاعت سے کچھ تکبر محسوس کرے گا' وہ جہنم میں چلا جائے گا۔ ذہن میں نہیں آتا کہ دعا اور اس کی قبولیت اور اس کے ساتھ عـــن

عبادتی (40:60) کے بعد یہ کیا بات ہوئی؟ بات ہی یہ ہے کہ وہ جو کہتا ہے کہ پہلے میری پکار کا جواب دو تو اس کے معنی ہی یہ ہیں کہ جو کچھ میں کہتا ہوں اس کے مطابق کام کرو۔ جو اس سے ذرا سا تکبر برتتا ہے کہ نہیں صاحب! یہ کیا ہے' میں کروں گا وہی جو میرے ذہن میں آئے گا تو وہ کہتا ہے کہ پھر تو تمہاری کھیتیاں جھلس جائیں گی۔ ہم جواب اُسی صورت میں دیں گے جو کچھ ہم نے کہا ہے اس کے مطابق کرتے چلے جاؤ۔ تم دیکھو گے کہ تمہارے اس کام کا اجر ضائع نہیں ہوگا۔ ساتھ کے ساتھ تمہاری دعاؤں کا تمہارے ان کاموں کا جواب ان نتائج کی شکل میں ملتا چلا جائے گا تمہارے سامنے آتا چلا جائے گا۔

کس کی دعا قبول ہوتی ہے؟ خدا تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کی پکار کا نہایت واضح جواب' مگر ایمان اور اعمالِ صالحہ شرط ہے

کس کی دعا قبول ہوتی ہے؟ میں الفاظ وہی استعمال کرتا ہوں جو ہمارے ہاں رائج ہیں ورنہ ہونا یہ چاہیے کہ کس کی پکار کا جواب ملتا ہے۔ جواب کے' استجاب کے' الفاظ وہی ہیں جو میں نے کہا ہے کہا ہے کہ فلیستجیبوا لی (2:186) وہی الفاظ چلے آ رہے ہیں۔ یہاں کہا ہے کہ و یستجیب الذین (42:26) ان لوگوں کی دعائیں قبول ہوتی ہیں' (عام الفاظ میں) ان لوگوں کی پکار کا جواب ملتا ہے' (قرآن کے الفاظ میں) الذین اٰمنوا و عملوا الصٰلحٰت (42:26) جو ان احکام کی صداقت پر یقین رکھتے ہیں اور پھر صلاحیت بخش کام کرتے چلے جاتے ہیں' اس پروگرام کے مطابق چلتے جاتے ہیں۔ صحیح راستہ دریافت کر لیتے ہیں اور پھر اس پر گامزن ہوتے چلے جاتے ہیں۔ یستجیب الذین (42:26) اپنے الفاظ میں کہہ لیجیے کہ ان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں' ان کی پکار کا جواب ملتا ہے۔ پہلے تو یہ یقین ہو جائے انہیں کہ یہ ہے وہ راستہ جو منزل تک پہنچائے گا۔ یہ ہے یہ ایمان' یہ Conviction یہ یقین۔ اور پھر عملوا الصٰلحٰت (42:26) (صلاحیت بخش کام کرتے چلے جاتے ہیں)۔ یہ وہ ہیں کہ جن کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ و یزیدھم من فضلہٖ (42:26) اور خدا اپنے فضل و کرم سے انہیں بڑی فراوانیاں عطا کرتا ہے۔

دعا کی قبولیت کے لیے قوانینِ خداوندی پر یقینِ محکم اور استقامت کے ساتھ جمے رہنا شرطِ اول ہے

عزیزانِ من! (42:26) میں کہا ہے کہ ٹھیک ہے' جب تم یہ کچھ کرتے ہو تو پھر تم دیکھو گے کہ تمہارے اندازے سے بھی زیادہ اس کے بہتر نتائج نکلتے ہیں۔ صحیح راستہ ہو' اس پہ انسان قدم زن ہو پھر دیکھے کہ کس طرح توقع سے بڑھ کر نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ دعائیں ان کی قبول ہوتی ہیں جو راستے کے صحیح ہونے پر پہلے یقین کرتے ہیں' اطمینان کر لیتے ہیں کہ یہ ٹھیک

ہے۔ پھر اس پر گامزن ہوتے چلے جاتے ہیں تو قدم قدم پر ان کی پکار کا جواب ملتا چلا جاتا ہے۔

اب اس کے بعد قرآنِ کریم تاریخی شواہد ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔ حضرت موسٰیؑ اور ان کے بھائی حضرت ہارونؑ کی مثال ہمارے سامنے لاتا ہے۔ ان کے سامنے مہم اتنی سخت ہے کہ فرعون کی طرف جاؤ کیونکہ **انہ طغٰی** (20:24) وہ بڑا سرکش ہوگیا ہے۔ کتنی بڑی مہم ہے' کتنا بڑا ٹکراؤ ہے اس قوت کے ساتھ جو دنیا میں استبداد اور ظلم کے لیے ضرب المثل ہے اور وہ ہے فرعون استبداد کا مجسمہ۔ جانے سے پہلے جسے ہم کہتے ہیں کہ دعائیں کیں: **ربنا انک اٰتیتا فرعون و ملاہ** (10:88) اے ہمارے نشوونما دینے والے! فرعون اور اس کے سرداروں کو سامان اور متاعِ حیات فراوانی سے مل رہا ہے۔ حضرت موسٰیؑ نے یہ چیزیں کہیں۔ آگے کہا کہ **ربنا لیضلوا عن سبیلک ربنا اطمس علی امولھم واشدد علٰی قلوبھم** (10:88) اے ہمارے نشوونما دینے والے! اے ہمارے رب! (اُس کے بل بوتے پر وہ لوگوں کو خدا کے راستے کی طرف آنے سے روکتے ہیں اس لیے اے نظامِ ربوبیت کے مالک! تُو ان کے مال و دولت کو تباہ کردے اور جس عقل و فہم سے یہ اس قسم کی انسانیت سوز تدابیر سوچتے ہیں اسے سلب کرلے۔ یہ) بڑا ظالم ہے بڑا سخت گیر ہے' بڑا محکم گرفت کرنے والا ہے اس نے تباہ کردیا ہے اسے تو تباہ کردے' اس کا بیڑہ غرق کردے وہ اس قابل نہ رہے کہ کسی پر ظلم کرے۔ یہ ساری دعائیں چلی آرہی ہیں۔ آگے کہا کہ **قال قد اجیب الدعوتکم** (10:89) جواب ملا (ہمارے الفاظ میں ترجمہ کیجیے) ہم نے تم دونوں کی دعا کو قبول کرلیا۔ ٹھیک ہے' بیٹھ جایئے۔ ہم نے کہا تھا کہ اس کا بیڑہ غرق ہوجائے وہ تباہ ہوجائے برباد ہوجائے۔ خدا نے کہہ دیا کہ ہاں! ہم نے تمہاری دعا قبول کرلی۔ اس کے بعد سوائے اس کے کہ آدمی نیاز بانٹتا پھرے اور کچھ کام تو وہ کرتا ہی نہیں ہے۔ کتنا Definite ہے کہ **قـــد اجیـب الـدعـوتکم** (10:89) عربی والے جانتے ہیں۔ ٹھیک ہے دعا قبول ہوگئی آپ کہیے۔ ہم تمہاری پکار کا جواب دیتے ہیں۔ آگے کہا ہے کہ **فاستقیما** (10:89) جو پروگرام تمہیں دیا گیا ہے' نہایت استقامت اور ثبات سے اس پر جمے ہوئے رہو' پھر بات بنے گی۔ ''ہُن گھرنوں نہ تُر جانا'' (اب گھر نہ چلے جانا): **فـاستـقیمـا** (10:89) دیکھتے ہیں یہ دعا قبول کیسے ہورہی ہے! کہا ہے کہ **فـاستقیما ولا تتبعنی سبیل الذین لا یعلمون** (10:89) اور راستے میں تمہیں کوئی بھی بہکانے والا ملے اُس کی بات نہ مان لینا کہ اِدھر کو ہی نکل جاؤ۔ راستے کی نشان دہی ہوگئی' پروگرام مرتب ہوگیا۔ ٹھیک ہے ہم جواب دیتے ہیں۔ چلو اور **فاستقیما** (10:89) ثابت قدم رہو اب اس پروگرام پر۔

اور تو اور انبیائے کرام کی دعائیں بھی جہدِ مسلسل کے ساتھ مشروط تھیں

عزیزانِ من! دو اولوالعزم نبی دعا مانگتے ہیں۔ پھر یہ بھی نہیں ہے کہ کوئی ظن و قیاس ہی ہو کہ شاید قبول ہوئی ہے یا نہیں ہوئی۔

یہ الفاظ ہیں کہ ہم نے تمہاری دعاؤں کو قبول کرلیا۔ ان الفاظ میں اگر ترجمہ کرتے ہو تو۔ اب کیا بات رہ گئی! کہا ہے کہ **فاستقیما** (10:89) جم کر کھڑے ہو جاؤ۔ اور دیکھنا راستے میں کئی ایسے ملیں گے جو تمہیں یہ کہہ کر بہکائیں گے کہ یہ بات' یہ راستہ صحیح نہیں ہے' یوں نہیں' یوں چلو۔ کسی کی بات نہ ماننا' سیدھے استقامت سے اس پر چلتے چلے جانا۔ دیکھتے ہیں آپ دعا بھی ہے انبیا کی۔ قبول ہونے کا پہلے اعلان کر دیا ہے کہ ہم نے قبول کی اور پھر اس کے بعد جو کچھ کہا گیا' اس سے معلوم ہوا کہ قبول کیسے ہوتی ہے۔ اور یہ تو میں نے ابھی آپ کے سامنے آیت پڑھ دی تھی کہ **و یستجیب الذین اٰمنوا و عملوا الصٰلحٰت** (46:26) صرف اس کی دعا قبول ہوتی ہے جو اس صداقت پہ یقین رکھے اور پھر اس کے مطابق کام کرتا چلا جائے۔ حضرت نوحؑ نے خدا کو پکارا۔ دو نبی تو ہم نے دیکھے۔ یہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ ہیں۔ حضرت نوحؑ نے خدا کو پکارا: **قال رب انصرنی بما کذبون** (23:26) خدا سے کہا کہ یا اللہ! میری مدد کر' یہ بڑی تکذیب کرتے ہیں' یہ لوگ بہت تنگ کرتے ہیں' بہت تکلیف دیتے ہیں' حق کی آواز کو بلند نہیں ہونے دیتے' راستے میں روڑے اٹکاتے ہیں۔

عزیزانِ من! ایک عذاب آنے والا ہے' طغیانی آنے والی ہے' اس کے خلاف دعا کی جاتی ہے کہ **رب انصرنی** (23:26) میری مدد کر۔ دعا قبول ہو رہی ہے۔ اُدھر سے جواب آتا ہے کہ **فاوحینا الیہ** (23:27) ہمیں اور آپ کو تو براہِ راست جواب نہیں ملتا' انبیائے کرامؑ کو تو براہِ راست جواب ملا کرتا تھا۔ یہ براہِ راست جواب ہوتا تھا۔ کہا ہے کہ ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ ٹھیک ہے' تمہاری دعا قبول ہوئی' ہم تمہیں اس طوفان سے اس طغیانی سے بچالیں گے مگر **ان اصنع الفلک** (23:27) بس کشتی بنانی شروع کر دو۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ انبیائے کرامؑ کی دعائیں کیسے قبول ہو رہی ہیں۔ اب یہاں کہا ہے کہ طوفان (Deluge) سے بچنا چاہتے ہو! ٹھیک ہے تمہاری دعا قبول ہے مگر اب تم کشتی بنانی شروع کرو دیکھو گے کہ تم بچ جاؤ گے۔ یہ صحیح طریقہ تھا طغیانی سے بچنے کا۔ بات اتنی ہی ملی۔ جو وہاں سے جواب ملا ہے وہ صرف یہ ملا ہے کہ یاد رکھو! یہ ایسی طغیانی جو ہے' اس طغیانی سے وہ بات نہیں ہوگی' جو تمہارا وہ بیٹا کہے گا کہ کوئی نہیں' میں ذرا اونچے سے ٹیلے پہ چڑھ جاؤں گا' وہاں بچ جاؤں گا۔ یہ ایسا طوفان آنے والا ہے کہ یہ پانی وہاں تک بھی چڑھ جائے گا۔ اس سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ طریقہ یہ ہے کہ کشتی بناؤ۔ عزیزانِ من! یہ کچھ حضرت نوحؑ کی دعا کے جواب میں کہا جا رہا ہے۔ اور جو آیت ہمارے سامنے ہے اس میں یہی چیز ہے جس سے آج کے درس کا آغاز ہوا۔ وہاں جماعتِ مومنین سے کہا گیا کہ **فاستجاب لھم ربھم انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثٰی** (3:195) ٹھیک ہے دعا قبول ہوئی' کسی کام کرنے والے کے کام کا اجر ہم ضائع نہیں کیا کرتے۔ یہ تو ہوا وہ طریقہ جو خدا کے جواب نے بتایا کہ یہ چاہتے ہو کہ ایسا ہو تو پھر انہیں یہ کچھ کرنا ہے۔ دعا کے معنی یہ کہیے۔

ہمارے ہاں کی دعاؤں کا انداز اور قرآنِ حکیم کا فرمان کہ یہ ضائع چلی جائیں گی

میں ابھی عرض کروں گا کہ دعا کیا ہوتی ہے۔ کہا ہے کہ چاہتے ہو کہ یہ ایسا ہو تو اس کے لیے یہ ہے جو کچھ تم کرو۔ اور کہا کہ ایک انداز دعا کا تمہارا بھی ہوتا ہے' دعا کا ایک انداز اور بھی ہوتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہمارا آپ کا وہ دعا کا انداز کیا ہوتا ہے۔ سنیے! قرآن حکیم کے نزدیک ایک دعا کا انداز یہ ہوتا ہے۔ کہا کہ **و الذین یدعون من دونہٖ لا یستجیبون لھم بشیءٍ الا کباسط کفیہ الی المآء لیبلغ فاہ و ما ھو ببالغہ و ما دعآء الکٰفرین الا فی ضلٰل (13:14)** ایک دعائیں تمہاری ہوتی ہیں اور ان کا انداز ہوتا کہ پیاسا ندی کے کنارے پہ کھڑا دونوں ہاتھ آگے کیے ہوئے کہے جا رہا ہے کہ پانی آ جا' میری پیاس بجھا جا۔ یہ قرآن کے الفاظ ہیں۔ ہاتھ پھیلائے ہوئے کہہ رہا ہے' دونوں ہاتھوں سے کہہ رہا ہے: پانی آ جا' میری پیاس بجھا جا۔ کہا کہ اس سے کہہ دو کہ کبھی پانی منہ میں نہیں آئے گا' ہزار مرتبہ یہ کہتے رہو' بیکار جائے گا تمہارا یہ پکارنا۔ یہی مشکل ہے کہ ہم میں سننے کی تاب نہیں ہے۔ اس نے کہا ہے کہ **و ما دعآء الکٰفرین الا فی ضلٰل (13:14)** یہ کفر کی دعائیں ہیں' یہ ضائع چلی جایا کرتی ہیں۔ وہ ایمان کی دعائیں تھیں اور یہ کفر کی دعائیں ہیں ان کے لیے کہا ہے کہ **الا فی ضلٰل (13:14)** یہ ضائع چلی جائیں گی' رائیگاں چلی جائیں گی۔ جتنے جی چاہے ہاتھ پھیلاتے چلے جاؤ۔

انسان کی آرزو اور اس کی ہر چاہت انسانی قوتوں کو متحرک کرنے کے ساتھ ساتھ ایک پروگرام کی طالب ہوتی ہے

یہ دعا ہوتی کیا ہے؟ پہلی چیز یہ ہے کہ کسی مقصد کے حصول کے لیے دل کے اندر ایک آرزو کا پیدا ہونا ہوتا ہے۔ کوئی کام ہو' آپ دیکھیے گا کہ اس سے پہلا قدم یہ ہے کہ آپ کے دل میں اس کے لیے ایک آرزو بیدار ہو۔ آپ چاہیں [1] کہ یہ ایسا ہو جائے۔ پہلی چیز یہ اس کے لیے چاہنا ہے۔ یہ جو چاہنے والی بات ہے' یہ محرک بنتی ہے اس کے بعد یہ ہے کہ اس کے لیے آپ پروگرام بنائیں' پھر اس کے لیے کوئی کام کریں۔ یہ پہلا ذرّہ ہے جسے آپ First Crystal کہتے ہیں۔ جو مقصد آپ چاہتے ہیں حاصل ہو اس کے لیے آپ کے دل میں ایک آرزو بیدار ہو' ایک تڑپ پیدا ہو' اس کے لیے ایک خواہش پیدا ہو تو یہ چیز آپ کی قوتوں کو بیدار کرنے کا' کھینچ کے چلے آنے کا محرک بنتی ہے۔

لفظ دعا کا وہ مفہوم جو اہلِ عرب اپنے ہاں لیا کرتے تھے

کیا کہنے ہیں اس عربی زبان کے اور ان لوگوں کے جنہوں نے اس زبان کو پالش کیا تھا دعا کا لفظ سمجھنا ہے تو ان کے معنی

آپ ان عربوں سے سمجھیے جن کی زبان میں قرآن نازل ہوا تھا۔ جب وہ دودھ دوہ لیتے تھے تو کچھ جانور ہیں جو کچھ دودھ چڑھا لیتے ہیں۔ یہ خود جتنا دودھ آ رہا ہوتا تھا اس میں سے کچھ تھوڑا سا دودھ یہ خود چھوڑ دیتے تھے۔ اب یہ جو چھوڑا ہوا دودھ ہے اس کی وجہ سے اس مویشی کے اندر کا تقاضا یہ ہے کہ یہ جو دودھ اس چشمے سے باہر آ گیا ہے اسے تو وہ ضرور نیچے ٹپکائیں۔ اب وہ جو اس ٹپکانے کے لیے کچھ اندر سے حرکت کرتا تھا اس کے ساتھ جو پچھلا دودھ تھا' اس تحریک کے ساتھ وہ بھی چلا آتا تھا۔ یہ جو دودھ تھوڑا سا چھوڑا جاتا تھا جو اُس دودھ کو ساتھ لانے کی تحریک پیدا کرتا تھا' اسے وہ ''الداعیا'' کہا کرتے تھے۔ عزیزانِ من! انسان وجد میں آ جاتا ہے۔ کس زبان کا انتخاب کیا ہے اس کتاب لکھنے والے نے! حق یہی تھا کہ یہی زبان ہوتی جس میں یہ کتاب ہے۔ اور کیا وہ لوگ تھے صاحب!

حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے جو بنی اسرائیل تھے ان کے لیے تو وہ حکومت دی' تمکن دیا' وہ یہ کچھ کرتے رہے۔ بنی اسماعیلؑ کے متعلق سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ دو تین ہزار سال کیا کرتے رہے؟ سنیے! وہ دو تین ہزار سال کے لیے یہ زبان تیار کرتے رہے جو قرآن کے حقائق اور رموز کی حامل ہوتی۔ اور محسوس کے ذریعے سے بات سمجھ میں آتی ہے۔ اب یہ دیکھیے! اس سے بات کیسے سمجھ میں آ گئی۔ کیا بات تھی ان کی! وہ یہ دودھ جو چھوڑتے تھے' جو اندر خفیہ صلاحیتیں' جو غیر محرک تھیں' ابھرتی نہیں تھیں' آتی نہیں تھیں' ان کو بلانے کے لیے' ان کو نیچے لانے کے لیے ایک محرک کی ضرورت تھی۔ وہ یہ دودھ جو چھوڑ دیتے تھے وہ اُس دودھ کو لے کر بھی نیچے آ جاتا تھا۔ اُسے ''الداعیا'' کہا کرتے تھے۔ اسی لیے ان کے ہاں **الدواعی** ان تمام جذبات کو کہتے تھے جو کسی ایک آرزو کے بروئے کار لانے کا محرک بنتا [1] تھا۔ قرآن نے کہا ہے کہ پہلی چیز یہ ہے کہ تمہارے اندر آرزو بیدار ہو لیکن آرزو تو ہر قسم کی بیدار ہوگی' غلط بھی بیدار ہوگی' صحیح بھی بیدار ہوگی۔ آپ کا نصب العین' مقصد غلط بھی ہو سکتا ہے صحیح بھی۔ تو غلط اور صحیح کی کسوٹی (Criterion) کیا ہے؟ یہ بڑا اہم سوال ہے۔

انسانی جذبات کی تربیت کے سلسلہ میں قرآنِ حکیم کی راہنمائی: تم اپنے چاہنے کو ہمارے چاہنے کے ساتھ منطبق کر دو

قرآن نے کہا ہے کہ **یدع الانسان بالشر دعآئہ بالخیر و کان الانسان عجولًا** (17:11) انسان کی اپنی کیفیت یہ ہے کہ اگر اس کو راہنمائی نہ ملے تو وہ بسا اوقات ایسی چیزوں کی آرزوئیں کرتا رہتا ہے جو اس کے لیے بڑی نقصان دہ ہوتی ہیں۔ یہ اصل میں بڑا جلد باز واقع ہوا ہے۔ کیا بات قرآن نے کہی ہے! یہ آپ دیکھتے ہیں کہ جتنے کاموں پہ ہمیں ندامت ہوتی ہے اس کے بعد ہم یہی کہتے ہیں کہ صاحب! جلدی میں ایک فیصلہ کر بیٹھا' ذرا سوچا نہیں ہے میں نے۔ کہا کہ یہ جلد باز ہے۔ جلد بازی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ ان چیزوں کے لیے بھی آرزو کرنے لگ جاتا ہے' خواہش کرنے لگ جاتا ہے جو اس کے حق میں

نقصان دہ ہوتی ہیں۔اس لیے پہلی تربیت تو اس کی یہ کی گئی کہ وما تشآئون الا ان یشآء اللہ (81:29) بس اصولاً یہ سمجھو' دنیا میں کرو تم یہ کہ تم وہ کچھ چاہو جو ہم چاہتے ہیں کہ تمہارے لیے اچھا ہے۔تم اپنے چاہنے کو ہمارے چاہنے کے ساتھ ملا دو۔

زندگی کے معاملات میں انسانی چاہت قوانینِ خداوندی سے ہی ہم آہنگ ہونی چاہیے

خدا نے انسان کے لیے کیا چاہا ہے کہ اس کے لیے کیا اچھا ہے؟ وہ اس قرآن کے اندر موجود ہے۔پہلی چیز تو یہ ہے کہ تمہارا چاہنا' تمہاری آرزو' تمہارا نصب العین' کوئی کام جو چاہتے ہو کہ ہو جائے' وہ وہ ہونا چاہیے جو خدا کے اس منشا کے مطابق ہو جو قرآن میں اس نے کہہ دیا ہے۔پہلی چیز یہ ہے کہ آرزوئیں ہی تمہاری اس کے مطابق ہوں۔پہلی چیز قرآن نے First Step (قدمِ اوّل) یہ بتایا ہے کہ تمہاری اپنی آرزو محض تمہارے اپنے جذبات وخواہشات پر مبنی نہیں ہونی چاہیے۔وہ آرزو اس کے مطابق تمہاری ہونی چاہیے۔تو پہلا کام تو اس دعا کا پہلا Step (قدم) یہ ہوتا ہے کہ آپ کی آرزو صحیح ہو جاتی ہے۔اقبالؒ (1877-1938) نے اپنے خاص انداز کے اندر بات کہی ہے کہ

تری دُعا ہے کہ ہو تیری آرزو پوری
مری دُعا ہے تری آرزو بدل جائے

(اقبالؒ:ضربِ کلیم)

پہلا کام تو اس میں یہ ہوتا ہے کہ جو بھی خیال' آرزو' خواہش' پیدا ہو تو پہلے یہ دیکھ لو کہ وہ اس کے قانون کے مطابق ہے۔نہیں ہے تو اُسے بدل لو۔دعا کی قبولیت کا پہلا مرحلہ تو یوں طے ہوا کہ ''مری دعا ہے تیری آرزو بدل جائے''۔صحیح آرزو سامنے آئی۔ اب وہ شدت اختیار کیے چلی جا رہی ہے۔آپ دیکھیں گے غیر شعوری طور پر جب آرزو شدید ہو جاتی ہے تو زبان پہ آپ کے وہ الفاظ خود آنے شروع ہو جاتے ہیں۔تنہائیوں میں' اکیلے بیٹھے ہوئے' شدتِ آرزو کا اظہار ہونے لگ جاتا ہے۔یہ جو اس طرح سے' شدتِ آرزو کا اظہار الفاظ کے ذریعے سے ہے۔اسے اصطلاح میں آپ دعا کہہ لیجیے۔اقبالؒ نے ہی کہا تھا جو بچے گایا کرتے ہیں کہ

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری

انسان کی تمنا لب پہ آ جاتی ہے۔

تکمیلِ آرزو کی شدت انسان سے شدید محنت کا بھی تقاضا کرتی ہے

اب آپ دیکھیے جتنا زیادہ اس مقصد کے حصول کی آرزو میں آپ کے اندر شدت پیدا ہوتی چلی جائے گی آپ دیکھیں گے

ایک عزم پیدا ہوگا' اس کے لیے Determination پیدا ہوگی' ارادے پختہ ہونے شروع ہو جائیں گے' پروگرام بننے شروع ہو جائیں گے۔ دیکھو گے کہ اس سے پہلے جو کچھ تم تھے اس کے بعد تمہارے اپنے اندر ایک تبدیلی آئی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ پہلے کم ہمت ہو' سُستی بھی ہو' اٹھنے کو بھی جی نہ چاہتا ہو لیکن جب یہ چیز ہو کہ یہ کام کرنا ہے تو آپ دیکھتے ہیں کہ اس میں کتنی توانائیاں آپ میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ بعض اوقات تو اتنی توانائی پیدا ہوتی ہے کہ بعد میں آپ خود سوچتے ہیں کہ میں نے یہ کیسے کر لیا۔ وہاں دور سڑک کے پار آپ کا بچہ ہو اور آپ دیکھیں کہ وہاں سے موٹر آ رہی ہے۔ عام حالات میں آپ کی جو رفتار ہے وہ بھاری بھاری قدموں سے بھی کیوں نہ ہو مگر اس وقت آپ دیکھیں گے کہ آپ برق رفتاری سے وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ آپ کو خود پتا نہیں چلتا کہ میرے اندر یہ کہاں سے اتنی بڑی طاقتیں آ گئیں۔ طاقتیں آپ کے اندر تھیں۔ یہ وہ دودھ تھا جو اوپر چڑھا ہوا تھا۔ یہ جو شدتِ آرزو ہوئی ہے اس نے ان تمام صلاحیتوں کو اتنی زور سے آواز دی اور اتنے زور سے صلاحیتوں کو کھینچا کہ آپ کے اندر ایک تبدیلی پیدا ہو گئی اور اگلا مرحلہ یہ ہوا کہ اس شدتِ آرزو سے جسے آپ دعا کہتے ہیں خود آپ کے اندر ایک تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے

دراصل انسان کے اندر کی تبدیلی ہی وہ ملکہ ہے جو باہر کی دنیا میں ایک انقلاب برپا کرتی ہے

چناں چہ علامہ اقبالؒ نے اس کیفیت کو دوسرے الفاظ میں (ضربِ کلیم میں) اسی غزل میں (جس کا ایک شعر پہلے پڑھا ہے) بیان کیا ہے کہ

تری دُعا سے قضا تو بدل نہیں سکتی

خدا کا قانون' قانونِ مکافاتِ عمل کے نتائج' اٹل ہوتے ہیں۔

تری دُعا سے قضا تو بدل نہیں سکتی
مگر ہے اس سے یہ ممکن کہ تُو بدل جائے

اس تیرے بدلنے سے ہی تو سب کچھ باہر کی دنیا بدل جاتی ہے۔ یہ تو انسان کے اندر تبدیلی ہے جس سے باہر کی ساری کائنات بدل جاتی ہے۔

مؤثر انداز میں صحیح نتائج کے ثمرات انفرادی تگ و تاز کی بجائے ہمیشہ اجتماعی نظام کے رہینِ منت ہوتے ہیں

اب بات کیا ہوئی؟ بات ہوئی آرزو کی بیداری کی۔ اس کے لیے پہلی چیز یہ ہے کہ وہ ایسی آرزو ہونی چاہیے جو خدا کے

بتائے ہوئے طریق کے مطابق ہوتا کہ اس کا انجام میرے لیے شر نہ ہو' خیر ہو۔ اس کے حصول کے لیے شدتِ آرزو ہو' جس سے عظیم عزم ہو' پختہ ارادے ہوں اور ہمتیں بیدار ہوں' پھر اس کے مطابق اگلا قدم یہ ہے کہ آپ عملاً اس کے حصول کے لیے آگے بڑھیں اور جو کچھ اس راستے میں حائل ہو' جتنی تکلیفیں آئیں' جتنے مرحلے آئیں' جس قدر رکاوٹیں پیش آئیں' ان کو آپ پھاندتے' پار کرتے چلے جائیں۔ قدم قدم پر آپ کی دعاؤں کا جواب اس طرح سے ملے گا۔ اور یہ جو چیز ہے' یہ صحیح اجتماعی نظام کے اندر ہمیشہ نتائج پیدا کرتی ہیں۔ انفرادی طور پہ اگر آپ کی آرزو بھی صحیح ہے' کوشش بھی اس کے لیے کرتے ہیں' مگر جو نظام باہر کا ہے' وہ نہایت باطل ہے' تخریب کا ہے۔ تو تنہا آپ کی کوشش ان سب کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ یہ ایک اجتماعی کوشش ہے جس سے یہ نتائج یوں مرتب ہوتے ہیں۔

خوشگوار زندگی کے لیے سورۃ الفاتحہ میں بیان کردہ ایک عظیم راہنمائی کی وضاحت کے سلسلہ میں اجتماعی زندگی کی اہمیت' اس کی افادیت اور تاکید

برادرانِ عزیز! یہ ہے وہ چیز کہ آپ سارے قرآن میں دیکھیے' ہر دعا جمع کے صیغے میں ہے۔ پہلے ہی سورۃ الفاتحہ میں یہ ہے کہ **ایاک نعبدوا و ایاک نستعین** (1:4) یہ اکیلا' تنہا' انسان نماز پڑھ رہا ہوتا ہے لیکن واحد کے صیغے کے اندر دعا نہیں مانگ رہا بلکہ یہ ہے کہ ''ہم تیرے احکام کے مطابق تیری اطاعت کرتے ہیں' تیری محکومیت اختیار کرتے ہیں اور اس کے بعد ہم تجھ ہی سے یہ آرزو رکھتے ہیں کہ ہماری یہ کوششیں' ہماری یہ توانائیاں بھرپور نتائج پیدا کریں''۔ اسی لیے قرآن نے کہا ہے کہ **یایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ و کونوا مع الصٰدقین** (9:119) (اے ایمان لانے والو! قوانینِ خداوندی کی پوری پوری نگہ داشت کرو' سنو! یہ) انفرادی زندگی نہیں ہے۔ وہ جو یوں سچائیوں کو قبول کیے ہوئے ہیں' ان کے ساتھ ہو جاؤ۔ ہم غلط معاشرے کے اندر روز پٹتے ہیں۔ نہایت عمدہ دیانتدار' امانت دار' صحیح آرزوئیں رکھنے والے پٹتے' یہ اس لیے پٹتے ہیں کہ انفرادی طور پر یہ الگ الگ رہتے ہیں اور وہ جو جتھہ بنا لیتے ہیں' وہ نہیں پٹتے۔ اب بجائے اس کے کہ یہ دیانت و امانت والے جتھہ بنائیں' وہ جتھہ بنائے ہوئے ہوتے ہیں' یہ ایماندار تنہا ہوتا ہے۔ قرآن میں ساری دعائیں اس لیے جمع کے صیغے کے اندر کہی گئی ہیں۔

دوسروں کے لیے دعا کرنا یا دعا دینے کا بنیادی مفہوم

اب اگلی بات آ جاتی ہے۔ ہم کسی کے لیے جو دعا کرتے ہیں کہ اچھا بھئی! اللہ تعالیٰ تمہیں کامیاب کرے' تمہیں شفا دے۔ بھئی! یہ کیا چیز ہے؟ یہ اس کے لیے ہماری اپنی نیک آرزوؤں کے اظہار کا نام ہے' یہ دوسرے کو **Moral Support** (اخلاقی مدد)

دیتی ہے۔ جب آپ کہتے ہیں کہ اچھا بھئی! میری دعا ہے کہ اللہ تمہیں اس کام میں کامیابی دے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم تائید کرتے ہیں کہ تمہارا کام ٹھیک ہے' تمہارا مقصد اچھا ہے۔ ہم اسے Support کرتے ہیں ہم اسے Appreciate کرتے ہیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ جسے Moral Support (اخلاقی مدد) کہتے ہیں وہ Material Support (مادی مدد) تو نہیں ہوتی وہ کسی کی مادی مدد تو نہیں ہوتی لیکن اس سے اس کے اندر ایک تقویت پیدا ہوتی ہے کہ ہاں! میں نے جو فیصلہ کیا ہے وہ صحیح فیصلہ ہے۔ اُنہوں نے بھی اس کی تائید کی ہے' وہ بھی کہتے ہیں کہ ہم چاہتے ہیں کہ اللہ تمہیں اس میں کامیابی عطا کردے۔ اس سے خود ایک نفسیاتی تبدیلی پیدا ہوتی ہے۔ یہ ہے وہ چیز جو ہم دوسرے کے لیے کہتے ہیں۔

دوسروں کے کسی تعمیری کام میں ہم آہنگی کا اظہار بھی ایک قافلے کا اثر رکھتا ہے

ہم دوسرے کے لیے دعا کرتے ہیں کہ ایسا ہو جائے۔ یہ ٹھیک ہے یہ ہونا چاہیے۔ اگر ہم کسی کے اچھے کام میں اس کی کوئی اور مدد نہیں کر سکتے تو کم از کم اتنی Moral Support تو اس کو دیں' Appreciate تو کریں' تاکہ اسے اور اس کے اس کام کو تقویت تو پہنچے کہ میں جو جا رہا ہوں' میرے مقصد کے ساتھ' بہرحال اور بھی ہم آہنگ ہیں۔ یہ ہے **کونوا مع الصٰدقین (9:119)** کی کیفیت۔ ان کا ساتھ ہو جانا جو ہے یہ ان لوگوں کا ایک قافلہ بن جاتا ہے جو ایک نصب العین اور ایک منزل اپنے سامنے رکھتے ہیں۔ آج کل کے سفر میں تو قافلوں کی کیفیت نہیں ہوتی لیکن آپ سوچیے تو سہی اس زمانے کا سفر کہ سارا راستہ رہزنوں سے اور قزاقوں سے پٹا پڑا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ آج رہزن اور قزاق جو ہیں وہ آپ کو آبادیوں میں ملتے ہیں' جنگلوں میں نہیں ملتے' وہاں ان کی ضرورت نہیں لیکن وہ زمانہ جب وہاں تنہائیوں میں یہ کچھ ہوتا تھا' وہاں تنہا سفر کرنے والا ہر قدم کے اوپر لٹنے کے اندیشے میں ہوتا تھا' وہاں قافلے کی ضرورت ہوتی تھی۔

قافلہ کس کو کہتے ہیں؟ یہ ہے ایک نصب العین' ایک منزل' پر پہنچنے والے اکٹھے چل پڑتے ہیں۔ اس میں اور کیا ہوتا ہے۔ لیکن کتنی تقویت ہوتی ہے قافلے کے ساتھ جانے میں۔ **کونوا مع الصٰدقین (9:119)** یہ ہے۔ اسی لیے قرآنِ کریم نے تمام دعائیں جمع کے صیغے میں کہی ہیں۔ دعا انفرادی چیز ہے ہی نہیں۔ ایک کی دوسرے کے ساتھ تقویت ہوتی ہے۔

پانی کا ایک ایک قطرہ مل کر ہی سمندر کی صورت میں ثابت رہتا ہے اور سمندر کی ہی خصوصیات کا حامل ہو جاتا ہے

کہا ہے کہ **یایھا الذین اٰمنوا اصبروا و صابروا و رابطوا (3:199)** اے وہ جواب اس پروگرام کی صداقت پہ

یقین رکھتے ہو! خود ثابت قدم رہو دوسروں کو ثابت قدم رکھنے کا ذریعہ بنو۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ کیسے ذریعہ بنو؟ کہا کہ **رابطوا** (3:199) یہ جو پانی ہے ذرا تیز ہے' یوں اکیلے اکیلے چلو گے تو بہہ جاؤ گے۔ یہ بانہوں میں بانہیں ڈال کر جو تیز ندی کو پار کرنے کے لیے چلنا ہوتا ہے' اسے **رابطوا** کہتے ہیں۔ کہا کہ یہ چیز کرو۔ نیک آرزوؤں کا اظہار دوسرے کے لیے کرو۔ اب اس کے ساتھ آپ دیکھتے ہیں کہ ہماری دعائیں کیا رہ گئیں؟ پہلی دعا تو وہی ہے جو قرآن نے کہا تھا کہ ندی کے کنارے پیاسا کھڑا ہے' ہاتھ بڑھائے ہوئے ہے' کہہ رہا ہے کہ آ جا پانی منہ میں۔ منہ میں نہیں آئے گا۔ اب یہ خود منہ میں نہیں آتا تو حضرت صاحب کے پاس چلے جاتے ہیں: ''میرے لیے خدا سے دعا کیجیے جی کہ وہ یہ کچھ کرے''۔ بظاہر نظر آتا ہے کہ یہ بڑا نیک کام ہے جو ہم کر رہے ہیں لیکن یہ ایسا کچھ نہیں ہے۔

خدا اپنے قانون کو کسی حضرت صاحب کی خاطر تبدیل نہیں کرتا مگر ہم سوچتے نہیں ہیں

عزیزانِ من! بات وہی ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے اسی پر بھیڑوں کی طرح چلے جا رہے ہیں۔ کھڑے ہو کر کبھی نہیں سوچتے کہ ہم یہ کر کیا رہے ہیں۔ خدا نے یہ کہا ہے کہ جہاں بھی کوئی پکارنے والا ہم کو پکارتا ہے' ہم اس کی پکار کا جواب دیتے ہیں مگر ہم ہیں کہ جہاں کوئی پکارنے والا پکارتا ہے' ہم جوان کے پاس جاتے ہیں' تو ان سے یہ کہتے ہیں کہ جی! وہ خدا آپ حضرت صاحب کی دعا کو جلدی سن لیتا ہے۔ کیوں؟ یہ اس کے نزدیک مقرب ہیں یعنی وہ آپ کے قریب ہیں اور ہم سے دور ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ جب میرے بندے میرے متعلق پوچھیں تو کہو کہ (**انی قریب**) (2:186) میں تم میں سے ہر ایک کے قریب ہوں۔ ہم عملاً اسے کہتے ہیں کہ آپ ذرا تکلف برت رہے ہیں' قریب تو آپ انہی کے ہیں ''ساہڈا دل رکھن نوں ایویں کہی جاندے پئے ہیگے او'' (ہمارا تو دل رکھنے کے لیے یونہی کہے جا رہے ہو)۔ یعنی ہم یہ کچھ جا کر کہتے ہیں۔

خدا کا کسی خاص کے قریب ہونے کا غلط مفہوم اور دعا مانگتے وقت انسانی کیفیت

عزیزانِ من! قرآن نے کہا ہے کہ **تتفکروا** (34:46) سوچا کرو مگر یہ ہیں کہ یہ ان کو مقربینِ بارگاہِ الٰہی کہتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ **انی قریب** (2:186) میں ہر وقت ان کے قریب ہوں۔ اور **اجیب دعوۃ الداء اذا دعان** (2:186) ہر بلانے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب مجھے پکارتا ہے مگر ہم ہیں کہ ان حضرت صاحب کے پاس جاتے ہیں۔ کیوں جاتے ہیں؟ اس لیے کہ یہ وہی خدا کے متعلق غلط تصور ہے۔ ہمارا جب دورِ ملوکیت آیا تو اس دور میں تو پھر قدم قدم پہ دعاؤں کی ضرورت پڑتی ہے۔ انسان دعا اس وقت کرتا ہے جب اس کا کوئی بس نہیں چلتا۔ جب وہ بے بس ہو کر رہ جاتا ہے پھر اپنے آپ کو کچھ تسکین دیتا ہے۔ جب کسی کے کام ہوتے چلے جاتے ہیں تو آپ دیکھیں گے کہ اس وقت دعا کی ضرورت نہیں پڑتی۔ وہاں پڑتی ہے جب کام

نہیں ہوتا۔ جتنا غلط نظام ہوگا اتنی ہی رکاوٹیں ہر شخص کے راستے میں زیادہ حائل ہوتی چلی جائیں گی' اس کو اتنی ہی دعا کے لیے زیادہ مجبوریاں پیش آتی چلی جائیں گی۔

تقسیمِ پاک و ہند سے پہلے یا بعد' مزاروں پر رونق افروز ہونے والوں کی تعداد کی کیفیت اور اس کی وجہ' جواز

کبھی آپ نے اس پہ بھی غور فرمایا کہ اس پارٹیشن وغیرہ سے پہلے یا اس کے بعد کے دور میں بھی ہماری یہ مزاروں پہ رونق نہیں ہوا کرتی تھی۔ کبھی غور کیجیے گا۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ اتنی رونق نہیں ہوتی تھی۔ جتنا جتنا معاشرے کے اندر قانون کا احترام اٹھتا جاتا ہے' کام قاعدے قانون کے مطابق نہیں ہو رہے' اتنی رکاوٹیں پیش آتی چلی جاتی ہیں یعنی اتنا ہی آدمی بے بس ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس بے بسی کا نتیجہ ہے جو اتنا ہجوم ہم ان مزاروں پر اور حضرت صاحب کے پاس دیکھتے ہیں۔

دعا کے متعلق حضرت عمر فاروق اعظمؓ کا ایک بصیرت افروز اعلان

میں نے اپنے پچھلے درس میں دہرایا تھا' اسے پھر دہرا دوں کہ اسلام کے صحیح غوامص عملی دنیا میں سیکھنے ہوں تو حضرت عمرؓ (581-644/45ء) سے سیکھیے۔ عجیب شخصیت تھی صاحب! انہوںؓ نے خلافت کے بعد یہ کہا تھا کہ خدا نے میرے ذمے یہ بات لگا دی ہے کہ میں تمہاری دعاؤں کو خدا تک نہ پہنچنے دوں۔ اللہ اکبر! کتنی بڑی بات کہہ گیا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ مجھے خلیفہ بنایا ہی اس لیے گیا ہے کہ تمہیں کوئی ایسی مشکل پیش ہی نہ آئے کہ تمہیں خدا سے کچھ مانگنا پڑے۔ اور خدا سے مانگنے کے معنی یہ ہونگے کہ تم میری شکایت کرو گے۔ جب ہی اس سے کہو گے کہ میرا کام نہیں ہوا۔ تو اس کے تو یہ معنی ہیں کہ تم میرے خلاف شکایت کرتے ہو۔ یہ میرا فریضہ ہے کہ میں تمہاری دعاؤں کو خدا تک نہ پہنچنے دوں' راستے میں روک لوں۔ عزیزانِ من! صحیح نظام میں تو خدا کے احکام کے مطابق' نظام ان دعاؤں کا جواب دیتا چلا جاتا ہے' خدا تک دعا بھیجنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ جتنا معاشرہ بگڑتا ہے اتنا ہی زیادہ انسان مجبور ہو جاتا ہے۔ اپنی تسکین کے لیے خود بھی دعائیں کرتا ہے' حضرت صاحبوں کے پاس بھی جاتا ہے۔ صاحب! اس غلط معاشرے میں تو بڑا کاروبار چلا ہوا ہے۔ ہر غلط کار کا چلا ہوا ہے' حضرت صاحب کا کیوں نہ چلے گا۔

خدا کا غلط تصور انسانی زندگی کو اجیرن بنا دیتا ہے

میں کہہ یہ رہا تھا کہ یہ ہمارا موجودہ اسلام دورِ ملوکیت کا ہے۔ کہنے کو تو ہم نے یہ کہا کہ السلطان ظل اللہ علی الارض بادشاہ زمین پر خدا کا سایہ ہوتا ہے۔ دراصل ہم نے خدا کو آسمان پر بادشاہ کا سایہ بنایا کہ دور عرش پر بیٹھا ہے' اس کے گرد کچھ مقربین ہیں' وزرا

ہیں' درباری ہیں' کچھ قصیدہ خواں ہیں' وہاں پھر حاجب اور دربان ہیں۔ دور کہیں دروازہ ہے' وہاں بھی کچھ لوگ کھڑے ہیں' آنے والے سے پوچھتے یہ ہیں کہ کیا پاسپورٹ' کوئی چٹھی ہے؟ مقربین ہیں تو ہاں صاحب! چلے جایئے۔ دوسرا کوئی جاتا ہے تو اس کو وہاں سے دھکا مل جاتا ہے کہ چل اوئے چل! بھاگ جا' بھاگ جا۔ ''اے درخواست اوتھے دینی ہیگی اے۔ جا اوئے جا! روز آ جاندے ہیگے نیں۔ آپا جاڈبے دے اندر۔ اوشام نوں ڈبہ مع درخواستاں دے ختم ہویا ہوندا ہیگا'' (یہ درخواست وہاں دینی ہے' چلے جاؤ' اور منہ اٹھا کر چلے آتے ہو۔ یہ کچھ ڈبے میں ڈال جاؤ۔ شام تک وہ ڈبہ درخواستوں اور اس کچھ ڈالنے سے بھر جاتا ہے)۔ بجز اس کے کہ وہ ''ڈبے پیر داڈبہ نہ ہووے'' (لیکن شرط یہ ہے کہ وہ ڈبہ ڈبے پیر کا نہ ہو)۔ یہ تصور ہم نے اپنے ذہن میں اس لیے رکھا ہے کہ ہم نے دیکھا کہ ملوکیت میں یہ ہوتا ہے۔ یہی ہوتا تھا! ہم نے بڑے پیمانے میں خدا کا یہی نقشہ ذہن میں رکھ لیا کہ ہماری درخواست براہِ راست اس تک نہیں پہنچ سکتی۔ ہمیں کوئی ایسا ڈھونڈنا پڑے گا جو اس کا مقرب ہو۔ غلط معاشرے میں جو کام آپ کے ذہن میں آتا ہے تو کتنا ہی آپ حق پہ ہوں' کتنا ہی قانون کے مطابق ہو' پہلی چیز یہ ہوتی ہے کہ صاحب! کوئی ایسا آدمی تلاش کیجیے جو اس تک بات پہنچائے۔ ہے ناں یہ چیز۔ یہ تھی غلط معاشرے کی ضرورت کہ براہِ راست تمہاری بات نہیں سن سکتا وہ جج وہ حاکم وہ بادشاہ۔ تمہیں کسی کی وساطت سے اپنی بات' اپنی درخواست' وہاں تک پہنچانی ہوگی۔ ملوکیت کی جو یہ بات پیدا ہوئی' خدا کو ہم نے سب سے بڑا حاکم الحاکمین سمجھا۔ سمجھا کہ یہاں اس تک براہِ راست درخواست نہیں پہنچتی تو اُس تک براہِ راست ہماری درخواست کیسے پہنچے گی؟ اس کے مقربوں کو تلاش کرو۔ پھر یہاں کا تجربہ بھی ہمارے سامنے تھا۔ مقربین کے متعلق پھر یہ بات پیدا کی کہ ''ایناں بزرگاں کول ایویں بانہواں لٹکوندے نئیں ترے جائیدا ہوندا'' (ان بزرگوں کے ہاں خالی ہاتھ نہیں جایا جاتا)۔ آپ دیکھیں گے کہ آدمی کبھی خالی ہاتھ نہیں جاتا۔ وہی تصور ہے۔ اب ان کی منت ہو رہی ہے' سماجت ہو رہی ہے۔ وہ انکساراً کہتے ہیں کہ نہیں بھائی! تم کو کسی نے غلط بتا دیا تھا' میرے ان کے ساتھ ایسے مراسم اور ایسے تعلق کی بات نہیں ہے۔ وہ تو بڑے انصاف پسند ہیں' یہ بات نہیں ہے۔ اور وہ پھر اور لجاجت کرتا ہے' گڑگڑاتا ہے' دہائی دیتا ہے کہ نہیں جی! یہ کچھ ہے۔ شاید سودا بھی کرتا ہے۔ کر کرا کے اچھا بھئی! ہم کوشش کریں گے۔ وہ عرضی لے لیتا ہے تو آپ کو اطمینان ہو جاتا ہے کہ یہ اب پہنچ جائے گی۔ ہر بزرگ کے پاس جب جاتے ہیں اور آپ سے وہ کہہ دیتا ہے تو اطمینان ہو جاتا ہے کہ اب خدا تک بات پہنچ جائے گی۔ اس سے پہلے اس تک نہیں پہنچی تھی۔ جس نے کہا تھا کہ **انی قریب** (2:186) اس سے کہہ دو کہ میں تمہارے قریب ہوں اور **اجیب دعوۃ الداء اذا دعان** (2:186) جب بھی کوئی شخص اپنی راہ نمائی کے لیے مجھے پکارتا ہے تو میرا قانونِ ہدایت جو قرآن کے اندر محفوظ ہے اس کی پکار کا جواب دیتا ہے۔

مقربین کے ذریعے خدا تک پہنچنے کا تصور قرآنِ حکیم کے ہی خلاف ہے

برادرانِ عزیز! سوچو تو سہی ہم کونسا اسلام لیے پھر رہے ہیں۔ اور ہم قرآن کی کتنی تکذیب کرتے ہیں۔ خدا ہر بلانے والے کے بلانے کا جواب دیتا ہے۔ جیسا میں نے عرض کیا ہے کہ یہ کام بہت بڑی نیکی کے گنے جاتے ہیں۔ کبھی ذہن میں بھی نہیں آتا کہ صاحب! اس میں کوئی چیز ایسی خلاف ہو سکتی ہے۔ ہجوم چلا ہوا ہے دعائیں منگوانے کے لیے ان کے پاس۔ اب یہاں سے پھر یہ بھی معدودے چند ہوتے ہیں۔ کچھ یہاں شاید سودا مہنگا پڑتا ہے تو قبروں کے سرہانے پہنچ جاتے ہیں۔ قرآنِ کریم مُردوں کے متعلق یہ کہتا ہے کہ وہ تمہاری پکار سن ہی نہیں سکتے۔ بہ نصِ صریح قرآن کہتا ہے کہ **اموات غیر احیآء (16:21)** مردہ ہیں' زندہ نہیں ہیں **و ما یشعرون ایان یبعثون (16:21)** ان کو تو اپنے متعلق بھی کچھ پتا نہیں ہے کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے' وہ تمہاری کیا سنیں گے۔ قرآن یہ کہہ رہا ہے۔ وہ جو دربان باہر کہا کرتا ہے کہ جاؤ جاؤ! یہ کسی کی سفارش نہیں مانا کرتے' یہ کسی کی بات میں نہیں آتے۔ ہم اس کو کبھی نہیں سچا مانتے۔ کہتے ہیں کہ یہ یونہی کہتا ہے' مقصد کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ کبھی نہیں مانتے۔ سنیے! خدا کہتا ہے کہ **ان تدعوھم لا یسمعوا دعآئکم (35:14)** تم انہیں ہزار پکارو' یہ تمہاری بات سن ہی نہیں سکتے۔ **و لو سمعوا ما استجابوا لکم (35:14)** اور بفرضِ محال اگر کبھی سن بھی سکتے تو جواب ہی نہیں دے سکتے تمہاری بات کا۔ قرآن یہ کہہ رہا ہے اس کے باوجود وہاں ہم ان مُردوں کے سرہانے کھڑے ہیں۔ ان کو پکار بھی رہے ہیں۔ ایمان یہ ہے کہ سن رہے ہیں پکار کا جواب بھی دیتے ہیں۔ یہ جو اللہ میاں کہہ رہا ہے (معاذ اللہ معاذ اللہ) اس دربان چپڑاسی (Peon) کی طرح ہے جو یہ کہتا ہے کہ جاؤ جاؤ! حضرت صاحب نہیں مانا کرتے۔ ایسے ہی کہہ رہا ہے۔ خدا یہ کہہ رہا ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ اس کتاب کو پسِ پشت ڈالنے سے ہم کہاں پہنچے ہوئے ہیں۔ یہ جو یہ زندہ انسانوں کے پاس جا کر حرکتیں ہم کرتے پھر رہے ہیں' ان کی وساطت سے خدا تک بات پہنچا دی۔ پھر ان مُردوں کے سرہانے جا کر یہ کچھ کرنا چہ معنی دارد۔ یہی بات نہیں کہ یہ ہماری منطقی دلیل کی رو سے بے معنی بات ہے بلکہ قرآن کی نصِ صریح ہے۔ ایک نہیں اس کے مطابق بیسیوں آیات ہیں لیکن یہ سب کچھ کیے چلے جا رہے ہیں۔

کسی تعمیری پروگرام کو عملی شکل دیے بغیر دوسروں کے سرہانے جنتی معاشرے کی اُمیدیں چہ معنی

عزیزانِ من! میں کہتا ہوں یہی کچھ کم وجہِ تذلیلِ انسانیت نہیں ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کے سامنے جا کر گڑگڑا کر ہاتھ پھیلا رہا ہو' اس سے یہ کہہ رہا ہو کہ ہمارا یہ ضرور کام کر دیجیے۔ حق یہ ہے انصاف چاہ رہا ہے لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس کے سامنے یہ کتنا ذلیل ہو کر کھڑا ہوتا ہے۔ یہی کچھ کم ذلت کی چیز نہیں ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ یہ جتنے ہم نے حضرت جی بنا رکھے ہوتے ہیں' ان کی بارگاہ میں پہنچنے پر آپ کتنا گڑگڑاتے ہیں۔ وہاں آپ سجدہ کرتے ہیں۔ جرأت نہیں ہوتی کہ آنکھ میں آنکھ ملا کر

بات کریں۔ آپ کا سر جھکا ہوا ہے۔ اور اس کا اگلا عقیدہ یہ ہے کہ ان کے خلاف دل کے اندر بھی کوئی بات نہ گزر جائے' یہ دل کی باتوں کو بھی جانتے ہیں۔ اور حضرت صاحب اگر کبھی غضب میں آ گئے تو تباہ کر کے رکھ دیں گے۔

مقامِ انسانیت کی عظمت کے برعکس ذلت کی انتہائی شکل کا شافی علاج

اس سے زیادہ بھی کسی انسان کی ذلت کچھ اور ہو سکتی ہے کہ اپنے جیسے انسان کے سامنے بیٹھا ہو اور اس کی یہ کیفیت ہو۔ اس سے بھی آگے ذلت کی انتہا ہے کہ انسان بھی وہ نہ ہو' اس کی لاش کے متعلق یہ ہو کہ جہاں اس کو ہم نے مٹی کے نیچے دبایا تھا۔ لاش باہر پڑی ہوئی تھی تو مردہ بدستِ زندہ یعنی جو جی میں آئے آپ اس کے ساتھ کیجیے۔ وہ غوث ہوں' وہ قطب ہوں' وہ ابدال ہوں کچھ بھی ہوں' وہ کبھی یہ نہیں کرتے کہ آپ ٹھنڈے پانی سے غسل دیں اور وہ کہیں کہ ''اوئے کی کرنا پیا ہیگا ایں توں'' (ارے ارے! یہ تم کیا کر رہے ہو)۔ سوال ہی نہیں ہے۔ یعنی وہ سرتاپا آپ کے بس میں ہیں۔ اور جب آپ نے ان کو ہزار من مٹی کے نیچے دیدیا تو سرتاپا آپ ان کے بس میں ہیں۔ اب آپ جتنے اوپر رہنے والے ہیں یہ سارے کے سارے پابند ہیں ان کے جو آپ کے پاس یوں تھے اور ان کو آپ نے یوں دبایا تھا۔ اور جن کے متعلق آپ کا خدا یہ کہہ رہا ہے کہ بابا! وہ نہیں سن سکتے' نہیں جواب دے سکتے۔ کوئی اور نہیں جو تمہاری مدد کرے' صرف قانون' ہماری کتاب' آپ کی مدد کرے گی۔ زندگی کے دوراہے پر اسے پکارو' اس کے بعد دیکھو کہ یہ کس طرح تمہیں جواب دیتی ہے۔ جواب یہ ہے کہ **فستجاب لھم ربھم انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثٰی بعضکم من بعض (3:194)** جواب یہ ہے تمہاری پکار کا کہ ہم کسی کام کرنے والے کے کام کو ضائع نہیں کرتے۔ عورت ہو' مرد ہو۔ تخصیص و تمیز کی بات نہیں۔ تم سب ایک ہو' اس میں تخصیص کیا؟ یہ تو تمہاری جہالت کا زمانہ تھا کہ تم نے اپنے جیسے انسانوں کو اپنے سے ذلیل صنف قرار دیدیا۔ خدا کی نگاہوں میں دونوں یکساں احترام کے واجب انسان ہیں۔ عورت اور مرد میں قرآن کوئی تمیز نہیں کرتا۔ کہتا ہے کہ **فالذین ھاجروا و اخرجوا من دیارھم و اوذوا فی سبیلی و قٰتلوا و قتلوا (3:194)** عزیزانِ من! یہ **ذکر و انثٰی** دونوں کے متعلق آ رہا ہے: مرد عورت دونوں کے متعلق ہے کہ ہجرت بھی ہے' میدانِ جنگ میں جانا بھی ہے۔ یہ سب چیزیں ہیں۔ آگے کہا ہے کہ **لاکفرن عنھم سیاٰتھم و لادخلنھم جنٰت تجری من تحتھا الانھٰر ثوابًا من عند اللہ و اللہ عندہ حسن الثواب (3:194)**۔

یہ ہے میری قرآنی بصیرت کے مطابق دعا کا مفہوم جو قرآن کہتا ہے۔ پھر میں عرض کر دوں کہ زندگی کے ہر دوراہے پر خدا کی کتاب کو پکارنا کہ مجھے معلوم ہو جائے کہ صحیح راستہ کونسا ہے۔ اس کے بعد منزل کا تعین' اس کے حصول کے لیے دل کے اندر ایک آرزو کی بیداری' شدتِ آرزو' اس کے بعد اس کی طرف قدم اٹھنا' قدم قدم پہ یہ دیکھتے چلے جانا کہ میں راستے سے اِدھر اُدھر تو

نہیں ہٹ گیا' استقامت وثبات رکھنا' یہ سب کچھ کیجیے تو قرآن کہتا ہے کہ **ان الذین کانوا ربنا الله ثم استقاموا تتنزلوا علیھم الملئکة** یوں جو رہگذر جاتا ہے ثبات واستقامت سے چلا جاتا ہے' خدا کے فرشتے اس پہ نازل ہوتے ہیں۔ یہ ہے خدا کے ہاں سے دعا کا قبول ہو جانا۔ اور یہ ہے **حسن الثواب** (3:194) (اعمال کا ایسا حُسن کارانہ بدلہ' قانونِ خداوندی کی رو سے ہی مل سکتا ہے)۔ اور اس کے بعد کہا ہے کہ **لا یغرنک تقلب الذین** (3:196) عزیزانِ من! یہ دوسری بات شروع ہوگئی۔ سورۃ آلِ عمران کی تین چار آیتیں رہ جاتی ہیں لیکن بات ان میں دوسری آ جاتی ہے۔ اس لیے ہم انہیں آئندہ لیں گے۔

سورۃ آلِ عمران کی آیت 194 ہمارے سامنے تھی۔ اور اسی ضمن میں' میں نے دعا کے موضوع پہ آپ کے سامنے قرآن کی دوسری آیات پیش کیں۔ خدا کرے کہ میں اپنے مطلب کی وضاحت اچھی طرح کر سکا ہوں اور آپ کے دل میں جو اس کے متعلق غلط فہمیاں چلی آ رہی تھیں' وہ قرآن کی روشنی میں دور ہوگئی ہوں۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

MATRIMONIAL

For our U.S. citizen graduate daughter, 29 years old, working in reputed firm, we are looking decent, educated & professional U.S./Pakistani aging 35 years. Contact with Bio-Introduction and picture via E-mail.

va_nawar@hotmail.com

بایزید یلدرم

صابر صدیقی صاحب کا نام طلوعِ اسلام کے حلقوں میں تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ طلوعِ اسلام ٹرسٹ سے ان کی کتابیں ابلۂ مسجد' اور کن فیکون شائع ہو کر قارئین سے خراجِ تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ ''بایزید یلدرم'' ان کا ایک تاریخی ناول ہے جو انہوں نے بہت محنت سے لکھا ہے۔ یہ ناول ادارہ طلوعِ اسلام سے رعایتی قیمت -/150 روپے علاوہ ڈاک خرچ میں دستیاب ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خواجہ ازہر عباس، فاضل درس نظامی

اتباع رسول کے خوشگوار ثمرات ونتائج

مذہب کی تو اساس ہی پرستش کی چند رسوم پر ہوتی ہے اور یہ خصوصیت سارے مذاہب عالم میں مشترک طور پر پائی جاتی ہے اور یہ بات بھی تمام مذاہب میں مشترک ہے کہ پرستش کے نتائج اُخروی زندگی میں حاصل ہوں گے، ان نتائج کا اس دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہے لیکن دین کی یہ صورت نہیں ہے۔ دین پر عمل کرنے کے نتائج اس محسوس دنیا میں ہی برآمد ہو جاتے ہیں اور ان نتائج سے ہی اس دین کی صداقت وحقانیت ثابت ہوتی ہے۔ دین جن نتائج کا وعدہ کرتا ہے اور دین پر عمل کرنے سے وہ نتائج برآمد نہ ہوں تو وہ دین باطل ہے یعنی برحق نہیں ہے۔ قرآن کریم نے دین پر عمل کرنے کے نتائج میں مسلمانوں کے لئے غلبہ حاصل ہونا لازمی ٹھہرایا ہے (4:141, 61:9, 9:33)، نیز مزید دیگر آیات) دینی نظام ہر شخص کے رزق کی ذمہ داری بھی اپنے سر لیتا ہے (11:6, 6:151, 17:31)، دعائیں بھی اسلامی نظام کے ذریعے پوری ہوتی ہیں (40:60, 4:75)، اقامتِ دین سے امن وامان قائم ہوتا ہے (3:97)، اس میں ہی ارکانِ دین کے نتائج برآمد ہوتے ہیں (22:37, 2:185, 29:45)، نیک اعمال کے ثواب بھی صرف دین میں حاصل ہوتے ہیں (28:80)، طاغوتی نظام میں اعمال کے ثواب حاصل نہیں ہو سکتے۔ دین پر عمل کرنے کے یہ ثمرات اتباع واطاعت رسول کی وجہ سے ہی حاصل ہوتے ہیں، قرآن کریم نے اس کے علاوہ بھی اتباعِ رسول کے ثمرات کی نشاندہی کی ہے اور یہی اس مضمون کا موضوع ہے۔

ارشاد حضرت باری عزّ اسمہٗ ہوتا ہے: **اِن کُنتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُونِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (3:31)**۔ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرا اتباع کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا۔ ہمارے ہاں مسلمانوں میں اس آیہ کریمہ سے اللہ کی محبت کا جواز فراہم کیا جاتا ہے اور پھر سارے تصوف اور پرستش کی عمارت اس محبتِ خداوندی کے تصور پر قائم کر دی جاتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کا یہ تصور خلافِ قرآن ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات کی کنہہ و ماہیت انسانی ادراک سے ماورا ہے۔ اس لئے اس قسم کی محبت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جس قسم کی محبت انسانی محبوب سے کی جاتی ہے۔ کوئی آدمی اَن دیکھی چیز سے محبت کر ہی نہیں سکتا اور یہی وجہ تھی جس کی بناء پر خدا کو انسانوں (اوتاروں) کی

صورت میں متشکل کیا اور اس کی مورتیاں بنائی گئیں۔

امام راغب اصفہانی نے محبت کے معنے کسی چیز کو عزیز ترین سمجھنا کئے ہیں۔ انہوں نے عربی محاورہ نقل کیا ہے کہ: حبب اللہ الی کذا' فلاں چیز خدا نے مجھے عزیز کر دی' قرآن کریم میں ہے: **وَلَكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ (49:7)**- لیکن خدا نے تم کو ایمان عزیز بنا دیا۔ دوسری جگہ ارشاد عالی ہے: **اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِیْ مَن يَشَاء (28:56)**- جسے تو عزیز جانتا ہے تو اسے راہ پر نہیں لاسکتا مگر ہاں خدا جسے چاہے اس کو راہ پر لاسکتا ہے۔ اس آیہ کریمہ میں بھی محبت کے معنے کسی کو عزیز سمجھنا ہے۔ تصوف کا وضع کردہ محبوب بنانا نہیں ہے۔ آیت کا مفاد یہ ہے کہ مسلمانوں کو اللہ کی ذات اور عملی شکل میں اس کا نظام دنیا کی ہر چیز سے زیادہ عزیز ہو جائے اور وہ ہر چیز اس نظام پر قربان کرنے کو تیار ہوں۔ **وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِیْ الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِیْ الرِّقَابِ (2:177)**- اور اس کی الفت میں اپنا مال قرابت داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور پردیسیوں اور مانگنے والوں اور لونڈی غلام کو آزاد کرنے میں صرف کر دیتے ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: **وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِيْناً (76:8)**- اللہ کو عزیز ترین سمجھنے کی وجہ سے محتاج' یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں۔ ان آیات میں **عَلَىٰ** (صلہ) کی وجہ سے ایثار اور ترجیح کے معانی پیدا ہو گئے ہیں۔ یعنی اللہ کو عزیز ترین جانتے ہوئے' اس کی خاطر' اس پر ایثار کرنے کی وجہ سے وہ کھانا کھلاتے ہیں۔ سورۂ توبہ میں ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ اِن كَانَ آبَاؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَيْكُم مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِيْلِهِ فَتَرَبَّصُواْ حَتَّى يَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهِ وَاللّٰهُ لاَ يَهْدِیْ الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ (9:24)-

اے رسول تم کہہ دو کہ تمہارے باپ دادا اور تمہارے بیٹے' تمہارے بھائی بند اور تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبہ والے اور وہ مال جو تم نے کما کے رکھ چھوڑے ہیں اور وہ تجارت جس کا مندا پڑ جانے کا تمہیں اندیشہ ہے اور وہ مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو' تمہیں خدا سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہیں' تو تم ذرا ٹھہرو یہاں تک کہ خدا اپنا حکم (عذاب) موجود کرے' اور خدا نافرمان لوگوں کی ہدایت نہیں کرتا۔

اس طویل آیت میں یہی حکم ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور عملاً

اس کے نظام سے زیادہ عزیز کوئی چیز نہیں ہونی چاہئے اور اگر مسلمانوں کے کسی دور میں بھی اسلامی نظام سے یہ دنیاوی چیزیں زیادہ عزیز ہوگئیں تو انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ ان پر خدا کا عذاب بھی آئے گا اور وہ اللہ کے نافرمان بھی رہیں گے۔

ان تمام آیات کریمات کا ملخص اور مفاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا کوئی غیر محسوس اور مجرد شے نہیں ہے بلکہ اس سے محبت کرنے کی یہ عملی صورتیں ہیں۔ ان کو پورا کرنے سے اس کی محبت ثابت ہوتی ہے اور ان کو عملاً سرانجام نہ دینے سے معلوم ہوتا ہے کہ محبت خداوندی کا دعویٰ جھوٹا ہے۔ البتہ اس محبت کے ثبوت میں پرستش کا کوئی کردار نہیں ہے۔ پرستش خواہ کتنی ہی کر لی جائے' اس سے محبت خداوندی ثابت نہیں ہوتی۔

آیۂ کریمہ کا دوسرا جز واتباع رسول ہے۔ مذہب میں اتباع رسول روایات کے ذریعے کرایا جاتا ہے اور عملاً اس کا طریقہ بھی پرستش پر ہی جا کر ختم ہوتا ہے اور اتباع رسول میں خالص پرستش پر ہی زور دیا جاتا ہے' جس کی آخری شکل تصوف اور رہبانیت ہوتی ہے۔ لیکن قرآن کریم کی رو سے اتباع رسول کا نتیجہ یہ ہے کہ جو قوم بھی اتباع رسول کرے گی' تو اللہ اس سے محبت کرنے لگے گا (یحیکم اللہ). اب آپ کے سامنے وہ آیاتِ کریمات پیش کی جاتی ہیں' جن میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کن قوموں سے محبت کرتا ہے۔

1- اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ (3:148, 2:134, 2:195)-
بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

2- اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَھِّرِیْنَ (2:222)-
بے شک خدا توبہ کرنے والوں اور ستھرے لوگوں کو پسند کرتا ہے۔

3- فَاِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ (3:76, 9:4)-
بے شک خدا پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے۔

4- وَاللّٰہُ یُحِبُّ الصَّابِرِیْنَ (3:146)-
بے شک خدا صبر کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

5- اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَوَکِّلِیْنَ (3:159)-
بے شک خدا بھروسہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

6- اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ (60:8, 49:9, 5:42)-
خدا انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

7- اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ (61:4)-

اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح صف باندھ کر لڑتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیواریں ہیں۔

8- فَسَوْفَ يَأْتِيْ اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهُ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ (5:54)-

عنقریب اللہ ایسے لوگوں کو ظاہر کر دے گا جنہیں خدا دوست رکھتا ہوگا اور وہ اس کو دوست رکھتے ہوں گے' ایمانداروں کے ساتھ منکسر اور کافروں کے ساتھ سخت۔

آپ ان آیات کو ملاحظہ فرمائیں' اگرچہ ان سب کا روایاتی ترجمہ درج کیا گیا ہے' تاہم اس کے باوجود یہ بات ظاہر ہے کہ ان تمام آیات کا تعلق اس محسوس دنیا سے ہے' کسی کا تعلق صرف اُخروی دنیا سے نہیں ہے۔ اتباع رسول کرنے والی قوم میں یہ تمام صفات وخصوصیات موجود ہونی لازمی ہیں جو ان آیات میں بیان کی گئی ہیں۔ ان تمام آیات میں سے کسی ایک آیت میں بھی پرستش کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے۔

جو قوم اتباع رسول نہیں کرتی اور اللہ تعالیٰ جن کو عزیز نہیں سمجھتا' قرآن کریم نے ان کی بھی نشاندہی کر دی ہے' ان کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔

(1) اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (2:190)-

خدا زیادتی کرنے والے کو دوست نہیں رکھتا۔

(2) وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ (2:276)-

جتنے ناشکرے اور گناہ گار ہیں خدا ان کو دوست نہیں رکھتا۔

(3) فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِيْنَ(3:32)-

اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔

(4) وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ,3:140)- 3:57)

اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔

(5) اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّاناً اَثِيْماً(4:107)-

بے شک خدا ایسے شخص کو دوست نہیں رکھتا جو دغاباز' گناہ گار ہو۔

اللہ تعالیٰ اس قوم کو عزیز نہیں سمجھتا جس میں یہ نقائص وعیوب ہوں۔ ان نقائص میں بھی پرستش کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ جو قوم پرستش نہیں کرتی وہ اللہ کو عزیز نہیں ہوتی۔

ان چند سطور میں یہی عرض کرنا تھا کہ اتباع رسول روایات کے ذریعے نہیں ہوسکتا' اتباع رسول اسلامی نظام کی اطاعت کے ذریعے ہی ہوسکتا ہے اور اس اتباع کے ثمرات ونتائج اس دنیا میں سامنے آتے ہیں کہ اس سے ایک ایسی قوم پیدا ہوتی ہے جس میں یہ متذکرہ بالا تمام

صفات و خصائص موجود ہوتے ہیں اور ان خالص قرآنی نصائص میں پرستش کا کہیں دور دور بھی تذکرہ نہیں ہے۔

جس طرح حضورﷺ نے اس قرآن کو پہنچانے اور اسلامی نظام قائم کرنے میں دن رات کوشش کی' اسی طرح اس موجودہ دور میں ہر مسلمان کے لئے یہ حکم ہے کہ رسول اللہﷺ کی طرح رات دن قرآن مجید پہنچانے اور اسلامی نظام قائم کرنے کی کوشش کرتا رہے۔ یہی اتباع رسول ہے۔اسی لئے حضورﷺ نے بحکم الٰہی فرمایا: **قُلْ اِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِى يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ** (3:31)- اگر تم اللہ کی محبت چاہتے ہو' تو میری پیروی کرو (اور رات دن کوشش میں گذار دو) پھر اللہ تم سے محبت کرے گا۔ یعنی جس طرح میں اس قرآن کو پڑھنے پڑھانے' اس کو پہنچانے اور اس کے مطابق معاشرہ قائم کرنے کے لئے کوشاں ہوں' اسی طرح تم بھی کرو کہ یہی میرا اتباع رسول ہے۔

کرد ایزد مر ترا از نیست ہست
از برائے آنکہ باشی حق پرست

نظریۂ خیر

ادارہ طلوع اسلام کے چیئرمین ڈاکٹر انعام الحق صاحب کا پی۔ایچ۔ڈی کا مقالہ بعنوان ''نظریۂ خیر' فلسفۂ اخلاق اور قرآن کی روشنی میں'' شائع ہو گیا ہے۔ یہ فکرانگیز تصنیف ادارہ طلوع اسلام 25بی' گلبرگ2' لاہور سے دستیاب ہے۔534 صفحات کی اس کتاب کی قیمت-/300 روپے ہے۔50فی صد کی خصوصی رعایت کے بعد صرف-/150 روپے میں علاوہ ڈاک خرچ ادارہ طلوع اسلام سے دستیاب ہے۔

سانحہ ارتحال

بیگم رضا علی (بلند اختر) صاحبہ گذشتہ دنوں وفات پا گئی ہیں۔ مرحومہ کراچی میں رہائش پذیر رہیں اور علیل ہونے کے بعد لاہور اپنی بیٹی کے پاس منتقل ہو گئی تھیں۔ مرحومہ کی طلوع اسلام کے ساتھ عمر بھر رفاقت رہی اور وہ فکر قرآنی کی توسیع و اشاعت میں دامے درمے سخنے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی رہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور پس ماندگان کو صبر کی توفیق۔ ادارہ ان کے اعزہ واقربا کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عبداللہ ثانی ایڈووکیٹ، پشاور

یَسۡتَفۡتُوۡنَک

اے رسولؐ! لوگ تم سے فتویٰ لینا چاہتے ہیں۔ **قُلِ اللّٰہُ یُفۡتِیۡکُمۡ فِیۡ الۡکَلٰلَۃِ** ''کہو اللہ تمہیں فتویٰ دیتا ہے'' یہ قرآن کریم کی سورہ نساء کی آیت نمبر 176 ہے۔ اسی سورہ میں آیت نمبر 127 میں بھی لوگوں نے حضورﷺ سے یتیم خواتین کے متعلق فتویٰ دینے کی بات کی ہے۔ اگرچہ قرآن کریم کے تمام احکامات بڑی وضاحت سے بیان کئے گئے ہیں لیکن ان دو مقامات کی وضاحت فتویٰ کے ذریعے لی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے فتویٰ صادر کیا ہے۔

ایک وضاحت بہت ضروری ہے عام طور پر لوگ (ف) پر زبر کے بجائے زیر لگاتے ہیں جو درست نہیں ہے۔اسے فَتۡـوَا۔ (فتویٰ) پڑھنا چاہئے۔فتویٰ سازی یا فتویٰ گری پر بڑی بڑی کتابیں لکھی گئی ہیں۔فتویٰ کے اسرار و رموز پر' فتویٰ دینے والے کے لئے شرائط' فتویٰ میں احتیاط' کون فتویٰ دے سکتا ہے اور کون نہیں دے سکتا۔ اکثر دارالعلوم میں ایک علیحدہ محکمہ برائے فتویٰ سازی یا فتویٰ گری موجود ہوتا ہے۔ جسے عام اصطلاح میں داالافتاء کہا جاتا ہے۔دروازے پر دارالافتاء کا بورڈ آویزاں ہوتا ہے۔ازراہ تفنن ایک بات یاد آ گئی۔عرصہ ہوا عدالت میں ایک جج صاحب نے مجھ سے پوچھا۔کیا آپ دارالعلوم کے معنی جانتے ہیں۔ میں نے جواب دیا جناب! یہ اس مقدس مقام کا نام ہے جہاں علوم دار پر چڑھ جاتے ہیں۔ جج صاحب اس تعریف سے بہت محظوظ ہوئے بلکہ پورا ہال مسکرایا۔اسی طرح جیسے کہ اوپر ذکر ہوا دارالافتاء بھی ہے۔ فتوؤں کے ہاتھوں ہزاروں گھر اجڑ چکے ہیں نہ جانے کتنے لوگ خون میں نہا چکے ہیں۔اب ظاہر ہے کہ اس فتوے کے نتیجے میں خون بہے گا جو فتویٰ دار سے ہو کر آیا ہو۔ یہ دونوں اصطلاحات مرکب ہیں۔ فارسی میں دار سولی کو کہا جاتا ہے جبکہ عربی میں دار گھر کو کہتے ہیں۔ لہٰذا دارالعلوم کا عربی ترجمہ علوم کا گھر ہوتا ہے اور اسی طرح دارالافتاء کا عربی ترجمہ کچھ اس طرح بنتا ہے کہ فتوؤں کا گھر۔

اب فتویٰ کے معانی تلاش کرنے چاہئے۔ قاموس عربی کی مشہور زمانہ ڈکشنری ہے جس میں فتویٰ کے سامنے معانی کچھ اس طرح لکھے ہیں۔''رائے قانونی'' **Legal Decision (opinion)** **أفتی فی المسئلہ** **To give a legal opinion, decision or verdict**' **إستفتی**: طلب الفتویٰ۔

To ask the solution of a judicial or learned question, to consult, as or the opinion of. مفردات امام راغب میں کچھ اس طرح ہے۔ **فَتوی و فُتیاً**۔ مشکل حکم کا جواب۔ **اِسْتَفْتَیتَہ، فَا فْتانِی**۔ میں نے حکم پوچھا اس نے حکم دکھایا۔ اس کے بعد اسی آیت کا ابتدائی حصہ لکھا ہوا ہے۔ **وَیَسْتَفْتُونَکِ فِی النساء**۔ تجھ سے قانون یا حکم دریافت کرتے ہیں عورتوں کے بارے میں۔ **قُلِ اللہ یُفْتِیکُمْ فِیھِنَّ** کہ اللہ تمہیں شرعی حکم بتا تا ہے، ان کے بارے میں۔ **افتونی فی امری**۔ مجھے میرے معاملہ میں فیصلہ بتاؤ۔

حیرانی کی ایک بات ہے کہ عربی کی کئی ڈکشنریاں میں نے چھان ماری ہیں کسی ایک میں بھی مفتی کے معانی نہیں ہیں بلکہ سرے سے مفتی لفظ بھی میں نہ پا سکا۔ کہیں آپ اسے مفت کام کرنے والے نہ سمجھ بیٹھیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہاں (م) پر پیش آ تا ہے۔

حضورﷺ کے ننانوے نام آپ نے اکثر چھپے ہوئے دیکھے ہوں گے۔ ان میں بھی حضورﷺ کے اسمائے حسنیٰ میں مفتی نہیں ہے۔

آیات محولہ کی تفصیل بعد میں آئے گی ایک نکتہ ذہن نشین کرنا چاہئے کہ فتویٰ دینے والا حاکم ہے۔ یعنی وہ حکم دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین ہے۔ لہٰذا حکم دینے کی خصوصیت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو حاصل ہے۔ قرآن کریم میں فتویٰ سے متعلق دو مقامات پر آیات آئی ہیں۔ دونوں مقامات پر فتویٰ دینے کی خصوصیت خود اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کی ہے۔ جہاں تک فتویٰ کے معانی کا تعلق ہے تو انسان رائے دے سکتا ہے لیکن یہ رائے کبھی بھی حکم کا درجہ نہیں لے سکتی۔ رائے کا اظہار کرنا اور فتویٰ دینا دو مختلف جہتیں ہیں۔ اس میں بڑا لطیف فرق ہے۔ جو انتہائی غور کا متقاضی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَیَسْتَفْتُونَکَ فِیْ النِّسَاء قُلِ اللّہُ یُفْتِیْکُمْ فِیْھِنَّ وَمَا یُتْلَی عَلَیْکُمْ فِیْ الْکِتَابِ فِیْ یَتَامَی النِّسَاء الَّلاتِیْ لاَ تُؤْتُونَھُنَّ مَا کُتِبَ لَھُنَّ وَتَرْغَبُونَ اَن تَنکِحُوھُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ وَاَن تَقُومُواْ لِلْیَتَامَی بِالْقِسْطِ وَمَا تَفْعَلُواْ مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّہَ کَانَ بِہِ عَلِیْماً (4:127)۔

ترجمہ اور اس کے بعد مفہوم!

لوگ تم سے عورتوں کے معاملہ میں فتویٰ پوچھتے ہیں۔ کہو! اللہ تمہیں ان کے معاملہ میں فتویٰ دیتا ہے اور ساتھ ہی وہ احکام بھی یاد دلاتا ہے جو پہلے سے تم کو اس کتاب میں سنائے جا رہے ہیں۔ یعنی

وہ احکام جوان یتیم لڑکیوں کے متعلق ہیں جن کے حق تم ادانہیں کرتے اور جن کے نکاح کرنے سے تم باز رہتے ہو (یا لالچ کی بناء پر تم خود ان سے نکاح کر لینا چاہتے ہو) اور وہ احکام جوان بچوں کے متعلق ہیں جو بے چارے کوئی زور نہیں رکھتے۔ اللہ تمہیں ہدایت کرتا ہے کہ یتیموں کے ساتھ انصاف پر قائم رہو اور جو بھلائی تم کرو گے وہ اللہ کے علم سے چھپی نہ رہ جائے گی۔

یہاں سوال موجود نہیں ہے۔ کہ آخر لوگ کیا پوچھتے تھے اور کس سوال کے لئے کیا فتویٰ لینا چاہتے تھے تاہم جواب سے خود سوال واضح ہو گیا۔ حالانکہ قرآن کریم میں کئی مقامات پر یسئلونک آیا ہے یعنی اے رسول تم سے سوال کرتے ہیں لیکن ان دو مقامات پر فتویٰ مانگا جا رہا ہے۔ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ فتویٰ یعنی حکم دینا ذات باری تعالیٰ ہی کا کام ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا ان دو فتوؤں کے علاوہ کیا کسی اور بات یا سوال پر فتویٰ دیا بھی جا سکتا ہے یا نہیں اب یتیموں یا یتیم خواتین کے متعلق سوال کرنا اور اس کا جواب دینا۔ دونوں میں نمایاں فرق ہے۔ دراصل یتیم خواتین کا مسئلہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے اس لئے اس کا جواب دینے کی بجائے حکم دیا گیا ہے کہ ضرور آپ نے ایسا کرنا ہو گا۔ حالانکہ سورہ نساء کی ابتدائی آیات میں یتیم خواتین کے متعلق وضاحت آ چکی ہے۔ مندرجہ بالا آیات کا مفہوم کچھ اس طرح ہے۔

''یہی وہ نظام ہے جس کے ایک گوشے (معاشرتی اور عائلی زندگی) کے متعلق کچھ احکام پہلے (ابتدائے سورہ میں) دیئے جا چکے ہیں اس ضمن میں اے رسول! لوگ تجھ سے عورتوں کے بارے میں مزید باتیں دریافت کرتے ہیں ان سے کہہ دو کہ ان امور کے متعلق اللہ تمہیں' ان احکام کے تسلسل میں جو پہلے دیئے جا چکے ہیں' مزید احکام دیتا ہے۔ یہ احکام یتیم لڑکیوں یا ان عورتوں کے متعلق ہیں جو بلا خاوند رہ جائیں (بیوہ ہو کر یا ویسے ہی خاوند نہ ملنے کی وجہ سے) تم ان کا وہ حق تو دیتے نہیں ہو جو قانون خداوندی نے ان کے لئے مقرر کیا ہے اور چاہتے یہ ہو کہ انہیں اپنے نکاح میں لے آؤ۔ یہ غلط ہے۔ ان کے واجبات انہیں ضرور دو۔ یہی حکم ان یتیم لڑکوں کے متعلق ہے جو بے کس اور ناتواں رہ جائیں مختصراً یہ کہ یتیم کوئی بھی ہو۔ عورتیں ہوں۔ لڑکیاں ہوں یا لڑکے ہوں۔ ان کے ساتھ ہمیشہ انصاف کرو بلکہ انصاف سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر ان سے حسن سلوک کرو۔ جو بھلائی تم ان کے ساتھ کرو گے وہ رائیگاں نہیں جائے گی۔ خدا تمہارے ہر عمل کا علم رکھتا ہے۔''

اب ذرا غور فرمائیں۔ ترجمے میں فتویٰ استعمال کیا گیا ہے۔

ہمارے ہاں تو فتویٰ اتنا عام ہے کہ بعض اوقات کم سے کم علم رکھنے والا بھی دوسرے کو کہتا ہے کہ ''چلو تم کوئی فتویٰ دے دو'' لیکن شاید کوئی غیر مسلم اسے صحیح نہ سمجھ سکے۔ اس کے برعکس مفہوم میں حکم کے معنی میں آیا ہے۔ حکم ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ اس لئے فتویٰ کے معنی حکم ہی ہو سکتے ہیں۔ جو صرف اور صرف ذات باری تعالیٰ کا کام ہے۔ انسان کا نہیں۔

اب ہم دوسری آیت کی طرف آتے ہیں۔ یہ آیت سورہ نساء کی آخری آیت ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَا إِن لَّمْ يَكُن لَّهَا وَلَدٌ فَإِن كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ وَإِن كَانُوا إِخْوَةً رِّجَالاً وَنِسَاء فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنثَيَيْنِ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ أَن تَضِلُّوا وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (4:176)-

ترجمہ: لوگ تم سے کلالہ کے معاملہ میں فتویٰ پوچھتے ہیں۔ کہو! اللہ تمہیں فتویٰ دیتا ہے۔ اگر کوئی شخص بے اولاد مر جائے اور اس کی ایک بہن ہو تو وہ اس کے ترکہ میں سے نصف پائے گی اور اگر بہن بے اولاد مرے تو بھائی اس کا وارث ہوگا۔ اگر میت کی وارث دو بہنیں ہوں تو وہ ترکے میں سے دو تہائی کی حقدار ہوں گی اور اگر کئی بھائی بہنیں ہوں تو عورتوں کا اکرا اور مردوں کا دوہرا حصہ ہوگا۔ اللہ تمہارے لئے احکام کی توضیح کرتا ہے تاکہ تم بھٹکتے نہ پھرو اور اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔

یہ ایک انتہائی اہم مسئلہ تھا جس کے متعلق فتویٰ یعنی حکم پوچھا گیا۔ کلالہ اس میت کو کہتے ہیں جس کی اولاد نہ ہو اور ترکہ چھوڑ کر مرے۔ ایک بار پھر یاد دہانی دی جاتی ہے کہ اکثر و بیشتر مسائل کے متعلق قرآن کریم نے روانی میں ذکر کیا ہے لیکن یہاں بھی فتویٰ سے کام لیا گیا اور فتویٰ دینے والا خود اللہ تعالیٰ ہے جبکہ رسول ﷺ کو کہا گیا کہ کہو! اللہ فتویٰ دیتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ فتویٰ کے صدور کا فریضہ ذات خداوندی ہے۔ یہاں پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کسی عام انسان کو فتویٰ دینے کا حق حاصل ہے' بھلے وہ بڑے سے بڑا عالم کیوں نہ ہو۔ قرآن کریم کی ان دو آیات کا بغور مطالعہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی فتویٰ صادر کر سکتا ہے اور دو مقامات پر صادر کیا ہے۔

اوپر عرض کر چکا ہوں کہ عربی ڈکشنری میں راقم کو مفتی کے معانی نہ مل سکے۔ البتہ اردو ڈکشنریوں میں مفتی کو عربی لفظ لکھ کر معنی فتویٰ دینے والا کر دیا گیا ہے۔

(مفہوم): اس سورہ کے شروع میں وراثت کے قوانین بیان کئے گئے تھے' جن میں کلالہ یعنی لاولد کا ذکر بھی آیا تھا۔ وہاں اس لاولد مرنے والے کا

ذکر تھا جس کے ماں باپ اور بہن بھائی موجود ہوں 4:12)۔ اس ضمن میں یہ لوگ تم سے کچھ مزید دریافت کرتے ہیں۔ کہو! کہ اس کے متعلق تمہیں خدا خود بتاتا ہے۔

اگر کوئی شخص مرجائے اور اس کی نہ اولاد ہو نہ ماں باپ تو اس کے ترکہ کی تقسیم یوں ہوگی۔

(1) اگر متوفی مرد ہو اور اس کی صرف ایک بہن ہو تو ترکہ میں اس کا نصف حصہ ہوگا۔

(2) اگر متوفیہ عورت ہو تو اس کے ترکہ کا وارث اس کا بھائی ہوگا۔

(3) اگر ایک بہن کے بجائے دو بہنیں ہوں تو ان کے لئے ترکہ دو تہائی (2/3) حصہ ہوگا۔

(4) اور اگر بہن بھائی ملے جلے ہوں تو ''ایک مرد کے لئے دو عورتوں کے برابر کے حصے کا اصول کارفرما ہوگا۔(4:11)

یہ تقسیم قرضہ کی ادائیگی اور وصیت پوری کرنے کے بعد ہوگی (4:12)-

اللہ تمہیں یہ احکام کھول کھول کر بتاتا ہے تاکہ تم غلطی میں نہ پڑو۔ اور اللہ ہر بات کا صحیح صحیح علم رکھتا ہے۔ اس لئے اس کے احکام وقوانین علم وحکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔

فتاویٰ پر کئی کتابیں وجود میں آئی ہیں۔ جن میں سے مشہور فتاویٰ عالمگیریہ ہے۔ بڑے بڑے عجیب قسم کے فتاویٰ اس میں موجود ہیں۔ اس وقت میرے سامنے ایک کتاب پڑی ہے۔ جس کا نام ہی یہ ہے کہ ''آپ فتویٰ کیسے دیں؟'' یہ کتاب علامہ شامی رحمتہ اللہ کی مشہور درسی کتاب شرح عقود رسم المفتی کا سلیس ترجمہ ہے جو مفتی سعید احمد پالن پوری صاحب استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند نے کیا ہے۔ بہتر ہو گا علامہ شامی کی کتاب (جو ایک لمبا نام ہے) کی قدرے تشریح کر دی جائے۔ ''عقود رسم المفتی کا مطلب عقود عقد کی جمع ہے۔ جس کے معنی ہیں ہار اور یہاں مراد منظومہ ہے۔ اور رسم کے معنی ہیں کسی چیز کا خاکہ' علامت' معاملہ اور اصطلاحی معنی یعنی وہ نشانی جو فتویٰ دینے میں مفتی کی راہنمائی کرے۔ جیسے راستہ کے نشانات راہ رو کی منزل کی طرف راہنمائی کرتے ہیں۔ پس عقود رسم المفتی کا مطلب ہے قواعد افتاء کے سلسلہ کی نظم یعنی منظوم کلام۔ پھر آپ نے خود ہی اپنے منظومہ کی شرح لکھی۔ جس کا نام شرح عقود رسم المفتی ہے۔ یہی شرح افتاء کے طلبہ کو پڑھائی جاتی ہے (صفحہ 12)۔

قارئین گرامی مجھے پورا یقین ہے کہ مندرجہ بالا سطور شاید سر کے اوپر سے گزر چکے ہوں۔ انصاف آپ کو ہاتھ میں دیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کتنا سلیس الفاظ میں دو مشکل مسئلوں کے لئے فتویٰ صادر کیا اور دوسری طرف فتویٰ کی انسانی بنائی ہوئی تعریف کتنی مشکل اور سمجھ سے ماوراء

ہے۔ پوری کتاب تین بار پڑھنے کے بعد بھی میرا اوپر والا خانہ خالی کا خالی رہا۔ قابل تعریف ہیں وہ علماء جو اتنے پیچیدہ مسائل سمجھتے ہیں اور پھر فتویٰ جاری کرتے ہیں۔

آپ نے غور کیا؟ فتویٰ رسول سے پوچھا جا رہا تھا اس لئے قرآن کے عام اسلوب کے مطابق جواب اس قسم کا ہونا چاہئے تھا کہ اے رسول! تم انہیں فتویٰ دے دو لیکن اللہ نے فتویٰ دینے کا اختیار رسول کو بھی نہیں دیا بلکہ واضح الفاظ میں فرمایا: ''کہو اللہ تمہیں فتویٰ دیتا ہے''۔

قرآن کی منقولہ بالا دونوں محکم آیات اس بات کا ناقابلِ تردید ثبوت ہیں کہ ''مفتی'' (فتویٰ دینے والا) صرف اور صرف اللہ رب العالمین ہے اور اس کے نازل کئے ہوئے تمام احکام ''فتویٰ'' ہیں خواہ وہ ''اَمر'' (حکم۔ Do) کی شکل میں ہو یا ''نہی'' (Do not) کی۔ اس حقیقی صورت حال میں اس بات کا کیا جواز ہے کہ مذہبی علماء اور مدارس سے تعلق رکھنے والے درس نظامی کے فضلاء ''مفتی'' کے خودساختہ منصب پر فائز ہو کر غیر از قرآن ماخذ کی بنیاد پر خلاف قرآن بلکہ بعض اوقات قرآنی تعلیمات سے متصادم فتوے صادر کریں اور حلال وحرام کے خانہ ساز فیصلے کرنے کے علاوہ اپنے مخالفین کو قابل گردن زدنی اور واجب القتل تک قرار دے ڈالیں۔

قرآنی مفہوم میں ایک انسان کا خود کو مفتی کہنا' مفتی سمجھنا اور دوسروں سے مفتی کہلوانا یا دوسروں کا کسی انسان کو مفتی سمجھنا' مفتی قرار دینا یا مفتی لکھنا منصب الٰہی پر دعویٰ کرنے کے مترادف' شرک فی الصِّفتِ الٰہی' غیر شرعی' قطعاً ناجائز اور مطلقاً حرام ہے۔

روزنامہ جنگ لاہور کی 3 جنوری 2001ء کی اشاعت میں شائع ہونے والی نہایت اہم خبر کے مطابق بنگلہ دیش ہائی کورٹ نے ایک فیصلے کے تحت علماء کے جاری کردہ فتوے غیر قانونی قرار دے دیئے اور عدالت نے پارلیمنٹ سے کہا ہے کہ ایسا قانون بنایا جائے کہ فتوے جاری کرنا قابلِ دست اندازی پولیس فعل بن جائے۔ بی بی سی کے مطابق ہائی کورٹ نے فتویٰ جاری کرنے کو نا صرف غیر قانونی قرار دیا بلکہ پولیس مجسٹریٹوں کو ہدایت کی کہ اگر کوئی مولوی فتویٰ جاری کرے تو فوری طور پر کاروائی کی جائے۔ اس فیصلہ کی اہمیت کے پیش نظر یہ خبر لفظ بلفظ نیچے نقل کی جا رہی ہے۔

''بنگلہ دیش ہائی کورٹ نے علماء کے فتوے غیر قانونی قرار دے دیئے۔

فتوے جاری کرنا غیر قانونی فعل ہے۔ پارلیمنٹ ایسا قانون بنائے جس سے فتویٰ جاری کرنا قابلِ دست اندازی پولیس فعل بن جائے۔ عوام کو عائلی قوانین سے واقف کرایا جائے۔ امام جمعہ کے خطبات میں اس کی وضاحت کریں اور ثانوی اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں اسے پڑھایا جائے۔

عدالت کا حکم۔ (جنگ لاہور 2001-1-3)

لندن (ریڈیو رپورٹ) بنگلہ دیش ہائی کورٹ نے ایک فیصلے کے تحت علماء کے جاری کردہ فتوے غیر قانونی قرار دے دیئے ہیں اور عدالت نے پارلیمنٹ سے کہا ہے کہ ایسا قانون بنایا جائے کہ فتوے جاری کرنا قابل دست اندازی پولیس فعل ہو جائے۔ بی بی سی کے مطابق ہائی کورٹ نے فتوے جاری کرنے کو نا صرف غیر قانونی فعل قرار دیا ہے بلکہ پولیس مجیسٹریٹوں کو ہدایت کی ہے کہ اگر کوئی مولوی فتویٰ جاری کرے تو فوری طور پر کاروائی کی جائے یہ فیصلہ اوگام کے ایک جوڑے کے مقدمے پر دیا گیا ہے۔ سیف الاسلام اور اس کی بیوی شاہدہ کے مابین علیحدگی ہوگئی تھی لیکن کچھ عرصہ بعد انہوں نے پھر شوہر اور بیوی کی حیثیت سے رہنے کا فیصلہ کیا جس پر ایک مولوی صاحب نے حلالہ کا فتویٰ دیا کہ پہلے شاہدہ ایک اور شخص سے شادی کرے اور اس سے طلاق لے اور اس کے بعد سیف الاسلام سے اس کی دوبارہ شادی ہو سکتی ہے۔ ہائی کورٹ کا کہنا ہے کہ اول تو ان کے درمیان طلاق نہیں ہوئی تھی اور اگر ہو بھی جاتی تو 1961ء کے عائلی قوانین کے تحت حلالہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ عدالت نے حکم دیا ہے کہ عائلی قوانین سے عوام کو پوری طرح واقف کرایا جائے اور مساجد کے امام جمعہ کے خطبات میں اس کی وضاحت کریں اور ثانوی اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں ایک مضمون کے طور پر اسے پڑھایا جائے۔''

اس سلسلے میں عرض ہے کہ پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق' ''ایوان جمہور'' 107' ٹیپو بلاک' نیو گارڈن ٹاؤن' لاہور کے ماہنامہ جہدِ حق کے اگست 2010ء کے شمارے میں ایک اور اہم خبر شائع ہوئی ہے جسے بشکریہ ماہنامہ جہدِ حق عوام کی واقفیت کے لئے لفظ بلفظ نیچے نقل کیا جا رہا ہے:

''ڈھاکہ ہائی کورٹ نے فتویٰ کے تحت دی گئی سزا کو غیر قانونی قرار دے دیا''

(ڈھاکہ) 8 جولائی ڈھاکہ ہائی کورٹ نے ''فتوی'' کے تحت دی جانے والی کسی بھی ماورائے عدالت سزا کو غیر قانونی قرار دے دیا۔

مفاد عامہ میں مقدمے بازی کے تحت دائر کی جانے والی رٹ پٹیشن کی سماعت کے بعد صادر کردہ اپنے فیصلے میں عدالت عالیہ کے ایک ڈویژن بینچ نے ہر اس فرد کو مجرم قرار دیا جو ماورائے عدالت سزا سنانے کا مرتکب ہوتا ہے۔

بینچ نے حکومت کو ہدایات جاری کیں کہ وہ ایسے جرم کا ارتکاب کرنے والوں کے خلاف مجموعہ تعزیرات

(پینل کوڈ) اور دیگر متعلقہ قوانین کے مطابق قانونی کاروائی عمل میں لائے۔۔۔ اور ''فتویٰ'' کے تحت دی جانے والی سزا کو کالعدم قرار دے دیا۔ عدالتِ عالیہ نے اپنے فیصلے میں اس رائے کا اظہار کیا کہ فتویٰ کے تحت دی جانے والی کوئی بھی ماورائے عدالت سزا آئین اور ملک میں رائج دیگر قوانین کے منافی ہے۔ کوئی بھی شخص جو ایسی سزا سناتا ہے اور دیگر افراد جو اس کاروائی میں اس کی معاونت کرتے ہیں..... وہ سب مجرم ہیں اور عدالت کے حکم کے مطابق ان سب کو قانون کے مطابق سزا ملنی چاہئے۔

اس سے قبل یکم جنوری 2001ء کو عدالتِ عالیہ نے پہلی بار یہ حکم دیا تھا کہ کوئی بھی ''فتویٰ یا ایسی قانونی رائے جو کسی عدالت نے نہ دی ہو۔۔۔ غیر مستند اور غیر قانونی تصور کی جائے گی۔ عدالت عالیہ کی رائے کے مطابق ''فتویٰ'' کسی قانونی فرد یا اتھارٹی کی قانونی رائے ہوسکتی ہے..... لیکن بنگلہ دیش کا قانونی نظام صرف عدالتوں کو ہی یہ اختیارات تفویض کرتا ہے کہ وہ مسلم لاء اور دیگر مروجہ قوانین کے حوالے سے تمام سوالات اور مسائل کا فیصلہ کریں۔ بریسٹر چارہ حسین' بیرسٹر محمود شفیق اور ایڈووکیٹ صلاح الدین ڈولن نے پٹیشنرز کی نمائندگی کی (انگریزی سے ترجمہ)

(بشکریہ فری میڈیا فاؤنڈیشن)

23 جنوری 2010ء کو روزنامہ ایکسپریس لاہور میں فتوے کے غلط استعمال کو روکنے کے لئے ریاض (ای پی پی) کے تحت شائع ہونے والی ایک اہم خبر بھی نیچے درج کی جارہی ہے:

''سعودی علماء کا فتویٰ کے غلط استعمال کو روکنے کے لئے قواعد وضوابط واضح کرنے کا اعلان''

ریاض (اے پی پی) سعودی اعلیٰ علماء کمیشن نے فتوے کے غلط استعمال کو روکنے کے لئے قواعد وضوابط واضح کرنے کا اعلان کر دیا۔ کمیشن کے اعلیٰ رکن شیخ عبداللہ المونی نے کہا ہے کہ 30 جنوری علماء کمیشن کے اجلاس میں فتوے جاری کرنے کے بارے میں یکساں قواعد وضوابط واضح کرنے کے لئے فیصلہ کیا جائے گا۔''

پاکستان گورنمنٹ سے بھی استدعا ہے کہ بنگلہ دیش ہائی کورٹ کے مذکورہ بالا فیصلہ کی روشنی میں وہ بھی پارلیمنٹ سے ایسا قانون بنوائے کہ پاکستان میں بھی فتوے جاری کرنا قابلِ دست اندازی پولیس فعل بن جائے تاکہ پاکستانی عوام بھی فتویٰ باز مولویوں کے ناجائز اور غیر قانونی حلالہ کے فتوؤں' کافر گری کے فتویٰ' میاں بیوی کے نکاح ٹوٹ جانے اور دوبارہ نکاح پڑھوانے وغیرہ کے فتوؤں سے محفوظ و مامون ہو جائیں۔ اور روزنامہ ایکسپریس لاہور مورخہ 25 دسمبر 2010ء کو' کراچی کی مطلقہ نے حلالہ کے بغیر پہلے شوہر سے نکاح کر لیا' کے عنوان سے شائع ہونے والے مسائل از خود ختم ہو جائیں۔

پاکستان میں

غلام احمد پرویز علیہ الرحمتہ

کا درس قرآن کریم مندرجہ ذیل منظور شدہ مقامات پر ہوتا ہے

نوٹ: نمائندگان محترم سے التماس ہے کہ ایڈریس یا اوقاتِ درس میں تبدیلی کی صورت میں ادارہ کو فی الفور مطلع فرمائیں۔

شہر	مقام	دن	وقت
اسلام آباد	برمکان ڈاکٹر انعام الحق، مکان نمبر 302، سٹریٹ نمبر 57، سیکٹر F-11/4 رابطہ: ڈاکٹر انعام الحق، فون نمبر 051-2290900	بروز اتوار	11AM
اوکاڑہ	برمکان احمد علی، بیت الحمد 4-AB-180، شادمان کالونی، ایم۔اے جناح روڈ، نزد مبارک مسجد رابطہ میاں احمد علی: 0442-527325، موبائل: 0321-7082673	بروز جمعہ	3PM
پچ کسی	برمطب حکیم احمد دین۔ رابطہ ڈاکٹر محمد سلیم قمر تحصیل کبیر والا	بروز جمعہ	3PM
جہلم	جنجوعہ ٹاؤن، پوسٹ آفس فوجی ملز، نزد بیکن ہاؤس سکول۔ رابطہ قمر پرویز	ہر ماہ پہلی اور آخری اتوار	4PM
چوٹی زیریں	بردوکان لغاری برادرز زرعی سروس، ڈیرہ غازی خان۔ رابطہ: ارشاد احمد لغاری۔ موبائل: 0331-8601520	ہر ماہ پہلا اتوار	12 بجے دن
چنیوٹ	11/9-W، گوجر چوک (گنبد والی کوٹھی) سیٹلائیٹ ٹاؤن۔ رابطہ: آفتاب عروج، فون: 047-6331440-6334433، موبائل نمبر: 0345-7961795	بروز جمعہ	بعد نماز جمعہ
حیدرآباد (قاسم آباد)	محترم ایاز حسین انصاری، B-12، حیدرآباد ٹاؤن، فیز نمبر 2، قاسم آباد بالمقابل نسیم نگر آخری بس سٹاپ۔ رابطہ موبائل: 0336-3080355	بروز جمعہ	بعد نماز عصر
راولپنڈی	فرسٹ فلور، کمرہ نمبر 114، فیضان پلازہ۔ کمیٹی چوک۔ رابطہ ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ، موبائل: 0331-5035964	بروز جمعہ بروز اتوار	4PM 4PM
راولپنڈی	برمکان امجد محمود، مکان نمبر 14/A، گلی نمبر 4، راہِ طلوع اسلام، جنجوعہ ٹاؤن، اڈیالہ روڈ، نزد جراہی سٹاپ، راولپنڈی۔ رابطہ: رہائش: 051-5573299، موبائل: 0322-5081985	بروز اتوار	10AM
خان پور	بمقام مکان حبیب الرحمان، محلہ نظام آباد وارڈ نمبر 9 خان پور، ضلع رحیم یار خان رابطہ: نمائندہ حبیب الرحمٰن۔ فون نمبر گھر: 068-5575696، دفتر: 068-5577839	بروز جمعہ	3PM
سیالکوٹ	معرفت کمپیوٹر سٹی، سٹی ہاؤس، سٹی سٹریٹ، شہاب پورہ روڈ، رابطہ: محمد حنیف 03007158446۔ محمد طاہر بٹ 0300-8611410۔ محمد آصف مغل 0333-8616286۔ سٹی ہاؤس 052-3256700	ہر دوسرے اتوار	5PM

سرگودھا	B-4، گلی نمبر 7، بلاک 21، نزد مکی مسجد چاندنی چوک، رابطہ۔ ملک محمد اقبال۔ فون: 048-711233	بروز منگل	7PM
فیصل آباد	رحمان نور سینٹر، فرسٹ فلور، مین ڈگلس پورہ بازار، رابطہ: محمد عقیل حیدر، موبائل: 0313-7645065	بروز جمعہ	4PM
فتح پور، سوات	فتح پور، سوات، رابطہ: خورشید انور، فون: 0946600277، موبائل: 0315-9317755	بروز اتوار	3PM
	محترم ظاہر شاہ خان آف علی گرام، سوات کا ڈیرہ۔ موبائل: 0346-9467559	ہر اتوار	9AM
کراچی	105 سی بریز پلازہ، شاہراہ فیصل۔ رابطہ شفیق خالد، فون نمبر: 0300-2487545	بروز اتوار	10AM
کراچی	A-446 کوہِ نور سنٹر، عبداللہ ہارون روڈ، رابطہ محمد اقبال۔ فون: 021-35892083، موبائل: 0300-2275702	بروز اتوار	10AM
کراچی	ڈبل اسٹوری نمبر 16، گلشن مارکیٹ، کورنگی نمبر 5، ایریا 36/C، پوسٹ کوڈ 74900	بروز اتوار	2PM
	رابطہ: محمد سرور۔ فون نمبرز: 021-35031379-35046409، موبائل: 0321-2272149		
کراچی	نالج اینڈ ویزڈم سنٹر، سلمان ٹاورز، آفس نمبر A-45، بالمقابل نادرا آفس، ملیر سٹی۔ رابطہ: آصف جلیل	بروز اتوار	11AM
	فون: 021-35421511، موبائل: 0333-2121992، محمود الحسن۔ فون: 021-35407331		
کوئٹہ	صابر ہومیو فارمیسی توغی روڈ۔ رابطہ ڈاکٹر غلام صابر، فون: 081-2825736	بروز اتوار	4PM
گوجرانوالہ	شوکت نرسری، گل روڈ، سول لائنز۔ رابطہ چوہدری تسنیم شوکت، موبائل: 0345-6507011	بروز جمعہ	بعد نماز عصر
لاہور	B-25، گلبرگ 2، (نزد مین مارکیٹ، مسجد روڈ)۔ رابطہ فون نمبر: 042-35714546	بروز اتوار	10AM
لاڑکانہ	برمکان اللہ بخش شیخ نزد قاسمیہ محلہ جاڑل شاہ، رابطہ سکندر علی عباسی، فون: 074-4042714	بروز جمعہ	بعد نماز مغرب
منڈی۔۔	رابطہ: خان محمد، (وڈیو کیسٹ) برمکان ماسٹر خان محمد گلی نمبر 1، محلہ صوفی پورہ۔ فون نمبر: 0456-520969	بروز جمعہ	10 AM
بہاؤالدین	موبائل نمبر: 0334-4907242		
نواں کلی، صوابی	رابطہ ہومیو ڈاکٹر ایم۔ فاروق، محلہ خدر خیل۔ فون نمبر:	بروز اتوار	10 AM
صوابی	بمقام چار باغ، (حجرہ ریاض الامین صاحب)، (رابطہ: انچارج یوٹیلیٹی سٹورز، مردان روڈ، صوابی)	بروز اتوار	3 P.M
	فون نمبرز: (0938)310262, 250102, 250092		

غلام احمد پرویز علیہ الرحمۃ کی جملہ تصانیف اور ماہنامہ طلوع اسلام کا تازہ شمارہ بھی

انہی جگہوں پر دستیاب ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

خریدار حضرات خصوصی توجہ فرمائیں

جن خریدار حضرات کی زرِ شرکت ماہنامہ طلوع اسلام ختم ہو چکی ہے وہ برائے مہربانی جلد از جلد ادارہ کو ارسال فرمائیں۔ شکریہ

مطبوعات طلوعِ اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ کے تحریک پاکستان کی دینی اساس سے متعلق
ذاتی مشیر، منفرد مفکرِ قرآن، بانی تحریک طلوعِ اسلام اور تحریک پاکستان گولڈ میڈلسٹ

علامہ غلام احمد پرویزؒ

کی

2010

تصنیفات

نام کتاب	پیپر بیک	مجلّد	نام کتاب	پیپر بیک	مجلّد
مفہوم القرآن (مکمل سیٹ)	*	1200	معراجِ انسانیت (سیرتِ رسولِ اکرم ﷺ)	270	540
مفہوم القرآن (کھلے پارے۔فی پارہ)	*	40	مذاہب عالم کی آسمانی کتابیں	120	240
مفہوم القرآن (مکمل سیٹ مجلّد)	*	1200	انسان نے کیا سوچا؟	200	400
مفہوم القرآن (تین جلدوں میں۔فی جلد)	*	400	اسلام کیا ہے؟	180	360
لغات القرآن (مکمل سیٹ مجلّد)	*	1300	کتاب التقدیر	200	400
لغات القرآن (چار جلدوں میں۔فی جلد)	*	350	جہانِ فردا (مرنے کے بعد کیا ہوگا؟)	160	320
تبویب القران (مجلّد)	*	1100	شاہکار رسالت (سیرتِ فاروق اعظمؓ)	280	560
تبویب القران (تین جلدوں میں)	*	1200	نظامِ ربوبیت (قرآن کا معاشی نظام)	200	400
مطالب الفرقان (مکمل سیٹ۔سورہ فاتحہ تا سورہ الحجر)	1200	2400	تصوف کی حقیقت	200	400
مطالب الفرقان (جلد اول)	165	330	قرآنی قوانین	100	200
مطالب الفرقان (جلد دوم)	165	330	سلیم کے نام خطوط (جلد اول)	130	260
مطالب الفرقان (جلد سوم)	180	360	سلیم کے نام خطوط (جلد دوم)	130	260
مطالب الفرقان (جلد چہارم)	200	400	سلیم کے نام خطوط (جلد سوم)	150	300
مطالب الفرقان (جلد پنجم)	165	330	طاہرہ کے نام خطوط	100	200
مطالب الفرقان (جلد ششم)	180	360	ختم نبوت اور تحریک ''احمدیت''	130	260
مطالب الفرقان (جلد ہفتم)	145	290	حسن کردار کا نقشِ تابندہ (سیرت قائداعظمؒ)	*	90
من و یزداں (اللہ کا صحیح تصور)	200	400	اقبالؒ اور قرآن (اول۔دوم)	280	560
ابلیس و آدم	200	400	مجلس اقبالؒ۔اول (شرح مثنوی اسرارِ خودی و رموز بے خودی)	250	500
جوئے نور	160	320	مجلس اقبالؒ۔دوم (شرح مثنوی پس چہ باید کرد.....)	*	150

برق طور (داستان حضرت موسیٰ)	160	320	قائداعظم کے تصور کا پاکستان (مجموعہ مقالات وخطابات)	160	320
شعلۂ مستور (حضرت عیسیٰ کی داستان)	160	320	بہارِ نو (مجموعہ مقالات وخطبات)	180	360
ISLAM: A Challenge to Religion	200	400	اسلامی معاشرت (روزمرہ کے متعلق قرآنی احکام وہدایات)	50	100
Exposition of the Holy Quran (in two volumes)	*	1200	اسبابِ زوالِ امت	50	100
The book of Destiny	200	400	جہاد (جہاد کے متعلق قرآنِ کریم کے احکامات)	*	100
Reasons for Decline of Muslims	*	200	خدا اور سرمایہ دار (مجموعہ مقالات وخطبات)	145	290
Islamic Way of Living	50	100	سلسبیل (مجموعہ مقالات وخطبات)	160	320
Letters to Tahira	*	300	فردوسِ گم گشتہ (مجموعہ مقالات وخطبات)	160	320
Quranic Laws	*	350	متفرق کتب		
متفرق کتب			The Pakistan Idea		150
مقام حدیث	110	220	Woman - Recreated		150
قرآنی فیصلے (جلد اول)	280	560	The Bible-Word of God or Word of Man		300
قرآنی فیصلے (جلد دوم)	280	560	The Holy Quran and Our Daily Life		300
قتل مرتد، غلام اور لونڈیاں اور یتیم پوتے کی وراثت	*	90	Exposition of the Holy Quran (New Edition) in one volume		1500
مزاج شناسِ رسول	120	240			
تحریکِ پاکستان کے گم گشتہ حقائق	200	400			
The Best of A.S.K. Joommal		600			

کتابیں ملنے کا پتہ:

طلوع اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

25 بی، گلبرگ 2، لاہور 54660، پاکستان

فون نمبر: 35764484, 35753666

Email: trust@toluislam.com, Web: www.toluislam.com

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 01720041073503 حبیب بینک لمیٹڈ، مین مارکیٹ گلبرگ برانچ، لاہور۔

طلوع اسلام ٹرسٹ کی مطبوعات سے حاصل شدہ جملہ آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صرف ہوتی ہے۔

ان قیمتوں میں ڈاک خرچ اور پیکنگ کا خرچہ شامل نہیں۔ یہ قیمتیں کسی بھی وقت تبدیل ہوسکتی ہیں۔

ماہنامہ طلوع اسلام کا سالانہ زرِ شرکت، اندرون ملک 300 روپے، بیرون ملک، یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ 1800 روپے اور امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ 2000 روپے